

ووٹر کارڈ - ووٹنگ - الیکشن
اور
مسلمانوں کی سیاسی ذمہ داریاں

افادات

فقیہ العصر حضرت مولانا **خالد سیف اللہ رحمانی** صاحب دامت برکاتہم

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ و جنرل سیکریٹری فقہ اکیڈمی انڈیا

مرتب

مفتی احمد اللہ نثار قاسمی

ناظم دار العلوم رشیدیہ و صدر دار الافتاء والارشاد حیدرآباد

ناشر

دار العلوم رشیدیہ

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر　　　　ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

ووٹر آئی ڈی، ووٹنگ، الیکشن

اور

موجودہ مسلمانوں کی سیاسی ذمہ داریاں

افادات
فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ و جنرل سیکریٹری فقہ اکیڈی انڈیا

ترتیب
مفتی احمد اللہ نثار قاسمی
خادم دار العلوم رشیدیہ مہدی پٹنم حیدرآباد

فہرس

فصلِ دوّم

موجودہ الیکشن اور سیاسی احوال

فصلِ سوم
موجودہ الیکشن میں کرنے کے کام

فصلِ پنجم

اسباب اور مسبب الاسباب دونوں اپنائیں

فصلِ ششم

حوصلہ نہ ہاریں!

پیشِ لفظ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

جمہوری نظام میں ووٹوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، اس سے حکومتیں بنتی اور گرتی ہیں، ووٹ کے ذریعہ ہی ہم اپنے نمائندوں کو پارلیمنٹ میں بھیجتے ہیں اور وہیں سے وہ پانچ سال یا ایک متعینہ مدت کے لئے ہمارے سود وزیاں اور نفع ونقصان کے مالک ہوجاتے ہیں، ووٹ کا مناسب اور درست استعمال نہ صرف قومی وملی مصالح ومفادات کے لئے اہم ہے، بل کہ ملکی مفادات کے لیے بھی ووٹ کا صحیح استعمال اور مناسب امیدوار کا انتخاب بہت اہم ہوتا ہے۔

جمہوری نظام میں جمہوریت کا فائدہ ان کو ہی ملتا ہے جو جمہوری حقوق کے تئیں بیدار اور حساس ہوتے ہیں، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جمہوریت میں ان کے تمام حقوق خود بخود ان تک پہنچ جائیں گے، وہ شاید اس سے واقف نہیں کہ جمہوری قباء میں دیو استبداد پروان چڑھتا ہے، جمہوری نظام کی پہلی بنیاد ووٹر لسٹ میں نام کی شمولیت کی کوشش ہے، دوسرا مرحلہ ووٹنگ کے دن ووٹ ڈالنا ہے، اس مرحلہ پر مناسب اور دیانت دار کا انتخاب ضروری ہے، نیز مسلم ووٹ منتشر نہ ہوں، اس کا بھی خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

ہندوستان میں مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، حیرت ہے کہ ان حالات میں بھی مسلمان ووٹ کی اہمیت سے نہ صرف غافل ہیں، بل کہ ان پر ایک طرح کی بے حسی طاری ہے، یا تو ووٹنگ سے ان کو کوئی لینا دینا ہی نہیں ہے، اور اگر ووٹ کے تئیں دلچسپی ہے بھی تو خاندان اور برادری کی بنیاد پر ووٹ ڈالے جاتے ہیں، قومی اور ملی مصالح ومفادات کو نظر انداز کردیا جاتا ہے، اور ان سب سے بڑھ کر مسلم ووٹوں کا انتشار سامنے آتا ہے کہ مسلم آبادی کے تناسب سے پارلیمنٹ میں ان کی نمائندگی بہت ہوجاتی ہے۔

ووٹ ڈالنا نہ صرف ملکی ذمہ داری ہے بل کہ موجودہ حالات میں شرعی ذمہ داری بھی ہے، راقم الحروف وقتاً فوقتاً جمہوریت میں ووٹ کی اہمیت، امیدوار کا انتخاب، الیکشن کے شرعی پہلو اور ملکی وملی مفادات کے تئیں ووٹ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے، میرے ان ہی مضامین کو عزیز مکرم مولانا احمد اللہ نثار

قاسمی صاحب نے بڑی محنت سے میری مختلف کتابوں سے جمع کیا ہے،اوراس طرح ووٹ اور الیکشن پر ایک بہترین کتاب ترتیب دی ہے،اللہ ان کو جزائے خیر دے،امید ہے کہ یہ کتاب ووٹ سے متعلق ہمارے جمود کو ختم کرے گی،اور ہماری غفلت کو دور کرے گی۔والسلام

(حضرت مولانا) خالدسیف اللہ رحمانی (صاحب دامت برکاتہم)

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

۲/صفر المظفر/۱۴۴۵ھ،مطابق ۳۰/اگست/۲۰۲۳ء

عرضِ دل

☆اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مذہبی قائدین جس اخلاص، سادگی اور سادہ لوحی سے آزادی کی لڑائی لڑے یہاں تک کہ برادران وطن کے ساتھ مل کر ملک کو آزاد کروایا؛ مگر افسوس کہ آزادی کے بعد خود مسلمان مضبوط لائحہ عمل طے کرنے میں کامیابی حاصل نہ کرسکے، اپنی اس بے مثال قربانیوں کے باوجود تعلیمی، تدریسی، تبلیغی اور رفاہی جیسے اہم خدمات میں مصروف رہے، مگر مسلمانوں کا کوئی متحدہ سیاسی پلیٹ فارم بنانے کی طرف شاید کہ توجہ کی گئی ہو ، ایک طرف مضبوط اور مستحکم ملی قیادت کا نہ ہونا؛ دوسری طرف مسلمانوں کا فرقوں میں بٹ جانا تیسری طرف مسلمانوں کی معاشی بدحالی، چوتھی طرف تعلیمی پس ماندگی نے ان کی طاقت کو منتشر اور ان کے شیرازہ کو بکھیر دیا؛ جس کا نہ صرف سب کو افسوس ہے؛ بل کہ اس کا خمیازہ بھی سب بھگت رہے ہیں۔

☆علاوہ ازیں برادران وطن کی مخصوص ذہنیت رکھنے والی ایک تنظیم جو آزادی کی لڑائی سے کوسوں دور رہی، بل کہ خفیہ طور پر انگریزوں کے ایجنٹ بھی بنی رہی، آزادی کے قریب پوری پلاننگ کے ساتھ طویل لائحہ عمل طے کرنے میں جٹ گئی کہ مستقبل میں ملک کو ہندو راشٹر کیسے بنایا جائے؟ مسلمانوں کی حیثیتِ عرفی کو کس طرح ختم کیا جائے، ان کے وجود کو کیسے مٹایا جائے؟ ان کی تہذیب و کلچر کو کیسے مسخ کیا جائے؟ وہ اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے مسلسل محنت کرتے رہے، آج دنیا انہیں تقریباً کامیاب دیکھ رہی ہے، جن لوگوں کو جیل میں ہونا تھا وہ نہ صرف آزاد پھر رہے ہیں؛ بل کہ حکومت کر رہے ہیں، ہندوستانی نظام عدل کو پوری طرح قبضہ میں کرنے کی کوشش میں ہیں اور مسلمان اس ملک میں تمام تر قربانیوں کے باوجود جیلوں کی زندگی، جینے پر مجبور اور حاشیے پر ہی ہیں، جانوروں کے مشتبہ قاتل کو قتل کر دیا جاتا ہے، اور انسانوں کے قاتل دندناتے پھرتے ہیں۔ دیش بھکتی کے نام پر، فوج، رام مندر، یکساں سول کوڈ، مسلم پرسنل لاء وغیرہ میں اپنے مطابق جیت حاصل کرتے گئے، دفعہ 370 کے معاملہ کو مسخ کر دیا، منواودی نظریہ سام، دام، ڈنڈ، بھید کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے پورے ملک میں زہر گھول دیا گیا۔

☆ ماضی کا تذکرہ مستقبل کو بنانے کے لئے ہوتا ہے؛ نہ کہ ماضی میں محو ہو جانے یا خوف و ناامیدی میں مبتلا ہونے کے لیے، فی الحال ایسا منصوبہ جو زود نتیجہ خیز ہو شاید کسی کے پاس نہیں ہے؛ مگر حال کے حکم پر عمل سے گریز بھی نہیں ہوسکتا، حالات نے بتا دیا کہ رسمی کاموں کے ساتھ ترجیحی کام بہت ضروری ہے، مفوضہ

کاموں کے ساتھ مطلوبہ کام بھی مقاصد میں سے ہے،سیاسی شعور کے بغیر ظلم کا رونا رونا بھی ظلم میں شامل ہے۔

☆ کچھ کریں یا نہ کریں مگر موجودہ ضابطہ سے جو اکابر شمار ہوتے ہیں ان سے امت کے اعتماد کو کاٹا نہ جائے،اور برائے نام ہی کیوں نہ ہو جو تنظیمیں ہیں انہیں اورمردہ نہ کیا جائے،نہ ان سے بہتر اور نہ ان کا بدل فی الحال ممکن ہے،اس کے بجائے انہیں سنبھال لیں جو لوگ ہمیں دہشت گرد کا لقب بھی دیتے ہیں اور ہمیں ووٹ بینک کے طور پر استعمال بھی کرتے ہیں۔اجتماعی مفاد کے لئے ہونے والے کام میں لوگوں کے اشتراک کو کافی سمجھیں،انضمام (خود کو ختم کرکے دوسرے میں ضم ہو جانا) کا مطالبہ نہ کریں،اتحاد کے لئے اشتراک کافی ہے،انضمام سے اتحاد پیدا نہیں ہوتا۔مشترکہ دشمن سے نمٹنے کے لئے متحدہ محاذ (۱) کی ضرورت ہے۔

☆ ووٹر آئی ڈی وغیرہ سے متعلق کوئی بھی کام کرنے کے لئے آمادہ ہوں تو یہ سوال نہ کریں کہ ''کون سی تنظیم کی طرف سے ہے،ہمارے اکابر یہ سب کرنے نہیں فرمائے،پہلے مشورہ ہوگا اس کے بعد دیکھا جائے گا'' دشمن سر پر آ کھڑا ہے،ابھی بھی وسعت ظرفی پیدا نہ ہوئی تو کب ہوگی،اور یہ کام سب اکابرین کے عین منشاء سے ہی کیا جا رہا ہے،بعض باتیں اکابر اپنے عہدے کی رعایت میں کھل کر نہیں فرماتے مگر ماتحتوں کو منشاء ومزاج سمجھنا پڑتا ہے۔

☆ ووٹ سفارش،گواہی،وکالت اور امانت ہے،ووٹ ڈالنا فرض ہے،اور نہ ڈالنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے،اس کے لئے ووٹر آئی ڈی بنوانا بھی واجب کا درجہ رکھتا ہے۔ہر مسلمان کے ذہن میں یہ بات رہے کہ پندرہ سال کے بعد نماز فرض ہے،اٹھارہ سال کے بعد ووٹ فرض ہے۔ہر مجلس میں ووٹر آئی ڈی کا اور ووٹ ڈالنے کا تذکرہ عبادت سمجھ کر کریں۔مایوسی انسان کو معذور بنا دیتی ہے؛اور معذور قوم خود کو مجبور سمجھ لیتی ہے،اور تاریخ گواہ ہے کہ مجبوروں نے انقلاب برپا نہیں ہوتا۔اقلیت واکثریت کے غم میں رہنے کے بجائے اقلیت کو طاقت میں بدلنے کی کوشش کریں۔

☆ ووٹ کو،کیک کی طرح کاٹ کاٹ کر تقسیم نہ کریں،تقسیم کی بدولت فرقہ پرست پارٹیاں صرف چالیس فیصد سے کم ووٹ سے جیت جاتی ہیں جب کہ ساٹھ فیصد سے زائد لوگوں کے ووٹ بکھر چکے ہوتے ہیں،مسلمان کی سادگی پر کس قدر افسوس کیا جائے،گجرات قتل عام کے ذمہ دار نے انتخاب جیتنے کے لئے گزشتہ گجرات اسمبلی انتخابات میں کم از کم پچاس (۵۰) مسلم امیدواروں کو میدان میں اتارا تھا اور ان کے سارے اخراجات برداشت کیے تھے اور مسلمان اس سے غافل رہے۔اس بار بھی مسلمانوں کے ووٹ تقسیم کرنے کی سازش کی

(۱) وہ علاقہ جہاں حریف فوجیں جنگ کے لیے روبرو موجود ہوں،مقابلے کی جگہ،میدان کارزار

جا چکی ہے، مہرے، پیادے اور کارندے تیار ہو چکے ہیں، آپ کو خوشنما خواب دکھا کر آپ کے ووٹ کو بانٹنے کی تگ و دو میں لگ گئے ہیں، خوبصورت اور مذہبی لباس میں نمائندے بات کریں گے اتحاد و اتفاق کی، مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبود کی، مسلمانوں کی یک لخت حالت بدلنے کی؛ لیکن سچ یہ ہے کہ وہ آپ کی بھلائی نہیں؛ آپ کے ووٹ کو پارہ پارہ کر کے دشمن کے کام کو آسان بنانے کے لئے میدان میں ہیں، جس سے مسلمانوں کو سیاسی طور پر بے حیثیت کرنے اور مسلمانوں کے ووٹ کو بے وقعت بنانا ہے، افسوس تو یہ ہے کہ دشمن ہم سے ووٹ کا حق چھیننے سے پہلے ہم خود عملاً ووٹ چھوڑ چکے ہیں۔

☆ اس بار مسلمانوں کو طے کرنا ہے کہ انہیں خوف و دہشت، ذلت و بدنامی اور مجبوری کی زندگی پسند ہے یا عزت کی، اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہم دفاعی پوزیشن میں ہیں نہ کہ اقدامی، دفاع کے بغیر چارۂ کار نہیں، تقدیر کے ساتھ تدبیر بھی اپنانا عین سنت ہے، ہر پانچ سال کے بعد مسلمانوں کو حساب چکانے کا موقع ملتا تھا مگر اس بار اگر سنجیدہ محنت نہ ہوئی تو اس کے بعد کوئی موقع نہیں ملے گا۔ اپنے چھوٹے موٹے ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کے لئے یک جٹ ہونا ضروری ہے۔ ملک میں جمہوریت باقی رہے، ملک کا دستور محفوظ رہے، ملک میں امن و امان اور قانون کی حکمرانی قائم رہے، اس لیے ایسے افراد کا انتخاب کیا جائے جو ان مقاصد کی خاطر جی جان لگا دیتے ہوں۔

☆ ہر وہ فرد جس کی عمر ۱۸ رسال ہو جائے اس کو بحیثیت ووٹر (رائے دہندہ) اپنے نام کا اندراج کرانا واجب ہے، اور انتخابات میں اپنے حق رائے دہی کا استعمال کرنا فرض ہے بقول مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ ''مسلمانوں نے اس ملک میں پورے عزم کے ساتھ سوچ سمجھ کر رہنے کا فیصلہ کیا ہے اور یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنے عقیدے اور تشخص کے تحفظ کے ساتھ اس ملک میں رہیں گے''۔ اب اسی عقیدے اور تشخص کے تحفظ کا وقت آ گیا ہے۔

☆ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ فرماتے ہیں: ''جس دین میں سیاست نہ ہو، وہ دین دین نہیں ہے اور جس سیاست میں دین نہ ہو وہ سیاست سیاست نہیں ہے۔(۱)

مذہبی فریضہ سمجھ کر ووٹ ڈالیں، خود بھی ووٹ کی قیمت سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں، ووٹ کے دنوں میں کہیں سفر نہ کریں، چونکہ ووٹنگ کے وقت ووٹ دینا ہی دینی تقاضا ہے، دوسرے دینی تقاضوں کے موقع ملتے رہیں گے؛ مگر یہ موقع صرف پانچ سال میں ایک بار آتا ہے، اگر غفلت ہوئی تو شاید آئندہ کبھی یہ

(۱) راہ عمل: ۵۵

موقع حاصل نہ ہوگا،اورنہ ہی کسی دینی تقاضے کے قابل بچیں گے،اس لیے ووٹنگ کے موقع پرکسی دینی تقاضے پربھی نہ جائیں،بوڑھے کمزور،مریض،اورخواتین کوووٹ بوتھ تک پہنچانے کاانتظام کریں۔

☆ ووٹ صرف ایک ہی سیکولر پارٹی کو دیں،نیز''ہرانا کسے ہے؟''اورفرقہ پرست پارٹی کے مقابلہ میں''کونسی پارٹی جیت سکتی ہے''یہ دوباتیں دیکھے بغیرووٹ ڈالنااپناووٹ ضائع کرناہے،اپنے سب ملنے والوں کی انفرادی ذہن سازی کریں،کہیں آزاد امیدوار ہی مناسب اورلائق ہو،اورجیتنے کی پوزیشن میں ہو اورملک وملت کے لئے مفید ہوتو اسی کو آگے بڑھادیں،کئی امیدوار کھڑے ہوں تو انہیں سمجھا کرمتحد ہونے کے لئےکسی اثرورسوخ والی جماعت کااستعمال کریں۔

☆ جوکچھ کہاجارہاہے اسے اکابرکی زبان ہی نہیں بل کہ شریعت کی ترجمانی سمجھیں،قومی وملکی کام کواپنی تنظیم ،اپنی تحریک ،اپنی جماعت کی طرف منسوب کرنے کےغم میں انتشارکاسبب نہ بنیں، EVM (الیکٹرانک ووٹنگ مشین)خراب ہےتواسے درست کریں،نہیں کرسکتےتو خودکودرست کریں،خرابی مشین میں نہیں ہے،خرابی ہمارے حوصلے وعمل میں ہے۔

☆''کون کام کررہاہے،کس کوفکر ہے،کونسی تنظیم صحیح کام کررہی ہے''سب بولنے اورلکھنے کی حدتک رہ گئے ان جملوں کے بجائے مجھ سے جوہوسکتاہے وہ کرگذروں زیادہ ضروری ہے،مذکورہ جملوں سے میرامسئلہ حل ہونے والانہیں ہے،آگ بجھانے والوں میں اپنانام شامل کرنے کی کوشش کریں،لگانے والوں میں سے اپنانام نکلوالیں،جذبات پرقابورکھنے کے ساتھ زبان کوبھی قابوکیاجائے،کھلے راستہ پرچلناشروع کردیں ،بندراستے بھی بفضلِ خدا کھلتے جائیں گے،کچھ کاموں کانفع اپنی نسل کواٹھانے دیں،جیسے بہت سے کاموں (آزادی کی قربانی وغیرہ)کانفع ہم اپنے اصول(باپ دادا)سے اٹھارہے ہیں۔

☆''سنیتاایرن''کہتی ہیں کہ مسلمانوں کی نئی نسل کومظلومیت کی نفسیات سے نکلناہوگا،اب مسلم یوتھ کوسوچنا ہے،لڑکیوں کوسوچنا ہوگا۔برادری کے دانشور آج یہ بات نہ کریں کہ ہمارے ساتھ ماضی میں کیاناانصافی ہوئی۔وہ یہ بات کریں کہ ہمیں آگے کیسے بڑھنا ہے''۔یہ اگرچہ کسی مسلمان نےنہیں کہامگرکیایہ بات سچ نہیں ہے؟خودغورکریں کہ ہم سیاسی طورپربھی کمزور ہیں ؛سترہ کروڑ کی مسلم آبادی میں پارلیمنٹ میں مسلم ممبروں کی تعدادکم ازکم پچھتر ہونی چاہیےتھی،جونہیں ہے۔

☆خدائی نظام میں جیت حق کی ہی ہوتی ہے،ہارنا ظالم کوہی ہے،مگریہ بھی خدائی نظام ہےکہ نظامِ کائنات اسباب سے مربوط ہے،ہم ابرہہ کےزمانے میں نہیں ہیں کہ سب چھوڑکرپہاڑپرجابیٹھیں اورانتظارمیں رہیں کہ ابابیل سے وقت کاابرہہ ہلاک ہوجائے گا،بل کہ ہم محمدرسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں ؛

جنہیں وقت کے ابرہہ کو مٹانے اُحُد و بدر اور خندق وحنین میں ننگی تلوار سے نکلنا پڑا تھا، دعا کعبہ کے سایہ میں کی جائے اور محنت مندر کے سایہ میں، جہاں دعا اثر دکھائے گی وہیں محنت بھی رنگ لاتی ہے، محنت کے بغیر نہ مایوس ہونا ہے، اور نہ جذباتی بننا ہے، جنگیں جذبات سے نہیں منصوبہ بندی سے جیتی جاتی ہیں، تبدیلی صرف الیکشن سے نہیں ہوتی ہے، مگر الیکشن کے بغیر تبدیلی آسان بھی نہیں ہے۔ ’’الناس علی دین ملو کھم‘‘ اپنے دین کو عام وغالب کرنا ہو تو خود کو غالب رکھنا بھی ہوگا۔

☆ ووٹ کی قیمت کو جتنی جلد سمجھ لیا جائے، اتنا ہی قوم کے حق میں بہتر ہے، ورنہ کہیں مظالم سے ایک بار پھر زمین وآسمان سرخ وخون آلودنہ ہوجائیں، اپنے مفاد کو بھول کر اپنی نئی نسل کے مفاد کو مقدم رکھیں، شعور بیداری کا کام ہر گلی کی سطح پر، محلے کی سطح پر، پورے گاؤں، قصبے، شہر وملکی سطح پر اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے کریں، پورے حلقۂ انتخاب میں ہر فرد کو متوجہ کریں، ووٹرائی ڈی بنوانے کے موقع پر ’’کس پارٹی کو ووٹ ڈالنا ہے‘‘ ہرگز زیرِ بحث نہ لائیں، اس سے بننے والے کام بھی بگڑ جاتے ہیں، فتوحات کے لئے مجاہدات ضروری ہیں، شکر ڈالے بغیر میٹھا اور نمک ڈالے بغیر کوئی چیز نمکین نہیں بنتی، انہی قوموں کی تقدیریں بدلتی ہیں جو خود کوششیں کرتی ہیں۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

☆ سب کچھ کرنے کے بعد بھی شہرت وتعریف کے قریب بھی نہ بھٹکیں، بنیاد کے پتھر بن جائیں، قوموں کی تعمیر تو ان کے سینہ پر ہوجائے مگر وہ نظر نہ آئیں جن کی بدولت قوم ترقی کر رہی ہے، ذاتی، خاندانی، معاشی، سماجی اور سیاسی مفادات کی خاطر قوم کو دفن نہ کردیں۔

☆ زیرِ نظر کتاب فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم کے مختلف مضامین کی ترتیب ہے، جو آپ کی کتاب ’’جدید فکری مسائل اور چند اہم علمی وفکری خطبات‘‘ وغیرہ سے موجودہ حالات کے پیش نظر موزوں طریقہ پر مرتب کرنے کی ادنی سی کوشش ہے، اس موضوع پر کافی اہلِ علم حضرات نے لکھا ہے، ہر ایک تحریر قابل قبول ہے، چونکہ حضرت مولانا کی شخصیت عالمی شخصیت ہے، ہر تحریر نکتہ خیز وسبق آموز ہوتی ہے، موقع کی مناسبت سے آپ کی تحریرات کو یکجا کرنے میں زیادہ فائدہ محسوس ہی نہیں ہوا بلکہ اپنی اہلیت بھی اسی قابل تھی، کہیں کہیں دیگر اہلِ علم حضرات کی وقیع تحریرات سے بھی استفادہ کیا گیا، اور حتی الامکان حوالہ دیدیا گیا ہے، اور بعض جگہ عاجز نے کچھ لکھنے کی ناکام سی کوشش کی ہے، جو کچھ صحیح ہے وہ حضرت مولانا کا اور دیگر اہلِ علم کا ہے، البتہ جہاں غلط ہے وہ میری اپنی کوتاہی ہوگی، عاجز اس غلطی کے واضح ہونے پر رجوع

بھی کرلے گا۔ان شاءاللہ ۔امید ہے کہ یہ کتاب الیکشن سے قبل چند جمعہ بولنے اورذہن سازی کرنے میں بہت معاون ثابت ہوگی،اللہ رب العزت ہم پر حضرت والا کاسایہ دراز فرمائے،جنہوں نے تمام تر مصروفیات کے باجوداپنے قیمتی کلمات سے نوازا،اللہ تعالی کتاب کوسب کے حق میں نافع بنا کرآنے والے الیکشن میں مسلمانوں اورملک کے لئے ایک نئی امید کی کرن کاذریعہ بنائے۔آمین۔

احمداللہ نثارقاسمی

خادم دارالعلوم رشیدیہ مہدی پٹنم حیدرآباد

۲۹ / ۸ / ۲۰۲۳ء مطابق ۱۱ر صفرالمظفر ۱۴۴۵ھ

پہلی فصل

ووٹر ائی ڈی بنوانے کی اہمیت وضرورت

جمہوری ملک میں ووٹ کی بہت اہمیت ہے

جمہوری نظام میں ووٹ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، اسی سے حکومتیں بدلتی ہیں، اسی کے ذریعہ ہم اپنے ملک کے سربراہ منتخب کرتے ہیں، پانچ سال کے لئے ان ہی سربراہوں کے ہاتھ میں وہ قلم ہوتا ہے، جس سے ہمارے بارے میں فیصلے کئے جاتے ہیں، اور ہمارے سود وزیاں کا فیصلہ ہوتا ہے؛ اس لئے دستوری اعتبار سے بھی ہمیں اس حق کو استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور ملی وقومی مصالح ومفادات کے لئے بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔

مسلمانوں کے ووٹر لسٹ کی تفصیلات

ووٹر لسٹ میں اپنا نام درج کرانے سے عمومی طور پر لوگ غافل ہیں اور جن لوگوں نے نام درج کرائے ہیں ان میں بھی ووٹ ڈالنے والوں کی تعداد نمایاں طور پر کم ہے، ۲۰۱۸ء میں الیکشن کمیشن نے کہا تھا کہ جن لوگوں کی عمر ۱۸/سال ہو چکی ہے اور انھوں نے اپنا نام ووٹر رجسٹر میں شامل نہیں کیا ہے، ان کی تعداد ۳/کروڑ ۳۶/لاکھ ہے، صرف یوپی میں ۷۵/لاکھ اور بہار میں ۴۶/لاکھ نوجوانوں نے ووٹر لسٹ میں اپنا نام نہیں لکھایا ہے، ۲۰۱۴ء کی مردم شماری کے مطابق کل ووٹرس کی تعداد ۸۳/کروڑ، ۴۱/لاکھ، ۴۷۹/رہے، جب کہ ووٹ ڈالنے والوں کی تعداد ۵۵/کروڑ، ۳۸/لاکھ ایک ہزار آٹھ سو ایک ہے، یعنی کل ووٹرس میں سے ۶۶/فیصد سے کچھ ہی زیادہ لوگوں نے حق رائے دہی میں حصہ لیا ہے، ۴۰/فیصد افراد نے ووٹ ڈالا ہی نہیں، یہ ایک بدبختانہ بات ہے کہ ملک وقوم سے متعلق اتنے اہم فیصلہ میں قریب قریب پچاس فیصد باشندوں کی شرکت نہیں ہوئی۔

ووٹر آئی ڈی بنوانا کیوں واجب ہے؟

اگر ہم شرعی نقطۂ نظر سے غور کریں تو بعض اعمال کی حیثیت مقصود کی ہوتی ہے، قرآن وحدیث میں متعین طور پر ان کا حکم دیا گیا ہے، جیسے نماز وروزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہ، بعض اعمال مقصود نہیں ہوتے، ان کی حیثیت ذریعہ اور وسیلہ کی ہوتی ہے، تو جو عمل جس بات کا ذریعہ ہو، جو حکم اس کا ہوگا، وہی حکم اس ذریعہ کا بھی ہے، جیسے چلنا ایک عمل ہے، اگر انسان اس لئے چلے کہ اسے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد پہنچنا ہے، تو اس کا یہ

چلنا بھی عبادت کے درجہ میں ہے، اور اسے ہر قدم پر نیکی ملے گی، خود حدیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔(۱) اور اگر کوئی شخص شراب پینے کی نیت سے چلے اور اس کا قدم شراب خانہ کی طرف بڑھ رہا ہو، تو صرف اس کا شراب پینا ہی گناہ نہیں ہے؛ بل کہ شراب خانہ کی طرف جانا بھی گناہ ہے، جوں ہی وہ گھر سے شراب خانہ کی طرف شراب پینے کی نیت سے نکلا، اسی وقت سے گناہ کا عمل شروع ہوگیا؛ اس لئے جس عمل کے بارے میں شریعت میں جائز و ناجائز یا پسندیدہ و ناپسندیدہ ہونے کا حکم صریحاً موجود نہیں ہے، دیکھنا چاہئے کہ وہ کس بات کا ذریعہ بنتا ہے، ایسی بات کا جو شریعت میں پسندیدہ ہے یا ایسی بات کا جو شرعاً ناپسندیدہ ہے؟

ووٹر آئی ڈی بنوانا مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے

ووٹ کا حق حاصل کرنا اور موقع پر اس حق کا استعمال کرنا اس بات کا ذریعہ بنتا ہے کہ آپ اچھے لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور سونپیں، اور بُرے لوگوں کو کرسی اقتدار سے دُور رکھائیں، اور یہ ایک شرعی فریضہ ہے کہ جو شخص جس ذمہ داری کا اہل ہے، اسی کو وہ ذمہ داری سونپی جائے: ''أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا'' (۲) اور یہ بھی ضروری ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کو اس مقام پر پہنچنے ہی نہ دیا جائے، جہاں وہ دوسروں کے ساتھ ظلم و ناانصافی کا ارتکاب کرسکتا ہے: ''وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِینَ ظَلِمُوا'' (۳) اس لئے مسلمانوں کو نہ صرف ایک قومی فریضہ؛ بلکہ ایک دینی فریضہ کی حیثیت سے بھی اس عمل کو دیکھنا چاہئے، اور کوشش کرنی چاہئے کہ صد فیصد مسلمانوں کے نام؛ بلکہ تمام شہریوں کے نام ووٹر لسٹ میں درج ہو جائیں۔

ملک کے سارے مظالم ووٹ کی بنیاد پر ہی ہے

ہندوستان میں اس وقت صورت حال یہ ہے کہ فرقہ پرست اور مسلم مخالف طاقتوں نے چوطرفہ حملہ شروع کر دیا ہے، اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور کمزور کرنے کے لئے جتنے ہتھیار ہو سکتے ہیں، وہ سب آزمائے جا رہے ہیں، فسادات کرائے جاتے ہیں، ہجوم کے ذریعہ قتل کی وارادات پیش آرہی ہیں، ذرائع ابلاغ کو مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے کی اجازت دی گئی ہے؛ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے، سوشل میڈیا کی ایک تربیت یافتہ فوج شب و روز جھوٹی خبریں پھیلانے کا کام کر رہی ہے، غرض مختلف جہتوں سے اسلام، مسلمان اور مسلم تاریخ کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، ان سب کے پیچھے اصل میں جو طاقت کام کر رہی ہے، وہ ہے

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۶۵۴ (۲) نساء: ۵۸ (۳) ہود: ۱۱۳

اقتدار کی طاقت، اور ہندوستان جیسے ملک میں طاقت کا سرچشمہ ووٹ ہی ہے۔

ووٹ اس وقت کا سامانِ جہاد ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا ٱسۡتَطَعۡتُم مِّن قُوَّةٖ وَمِن رِّبَاطِ ٱلۡخَيۡلِ تُرۡهِبُونَ بِهِۦ عَدُوَّ ٱللَّهِ وَعَدُوَّكُمۡ وَءَاخَرِينَ مِن دُونِهِمۡ لَا تَعۡلَمُونَهُمُ ٱللَّهُ يَعۡلَمُهُمۡۚ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيۡءٖ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ يُوَفَّ إِلَيۡكُمۡ وَأَنتُمۡ لَا تُظۡلَمُونَ"۔(۱)

اور (اے مسلمانو!) ان کے مقابلہ کے لیے جہاں تک ہو سکے، طاقت اور گھوڑوں کی تیاری رکھو، جن سے اللہ کے دشمن، اپنے دشمن اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے، اللہ جانتے ہیں تمہاری دھاک قائم رہے اور جو بھی تم اللہ کے راستہ میں خرچ کروگے، تمہیں پورا پورا دیا جائے گا، اور تمہارے ساتھ حق تلفی نہیں ہوگی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دشمن طاقتوں کے مقابلہ کے لئے اپنی صلاحیت اور طاقت کے ذریعہ تیاری کا حکم دیا ہے، یہ بھی فرمایا گیا کہ یہ طاقت حاصل کرنا ظلم کے لئے نہیں ہونا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ اگر تم کو طاقت حاصل ہو جائے تو تم دوسروں پر ظلم ڈھانے لگو؛ بل کہ یہ اس لئے ہو کہ ان پر تمہارا رعب طاری رہے، ان میں یہ جرأت نہ ہو کہ وہ تم پر یا دوسرے بے قصور لوگوں پر ظلم کریں، تیسری بات یہ فرمائی کہ تمہارے کچھ دشمن کھلے ہوئے ہیں، جو علانیہ طور پر تمہارے خلاف کام کر رہے ہیں، کچھ ایسے دشمن بھی ہیں جو آستین کے سانپ ہیں، جن کی عداوت اور منصوبہ بندی تمہارے سامنے نہیں ہے تم انہیں نہیں جانتے، اللہ ان کو جانتا ہے: "لَا تَعۡلَمُونَهُمُ ٱللَّهُ يَعۡلَمُهُمۡ"(۲)

اسی ارشاد سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ طاقت کا حاصل کرنا اور اس کا استعمال کرنا صرف ظلم سے بچنے کے لئے جائز ہے، ظلم کرنے کے لئے جائز نہیں ہے، مثلاً: اگر کسی خطہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہو اور وہاں مسلمانوں کے ووٹ سے مسلم نمائندہ منتخب ہو جائے تو اس کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے حلقہ میں بسنے والے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی کا سلوک کرے، اگر اس نے ایسا کیا تو نہ صرف ملک کے قانون؛ بل کہ شریعت کی رُو سے بھی اس کا یہ عمل درست نہیں ہوگا۔

(۱) انفال: ۶۰

(۲) انفال: ۶۰

سامانِ جہاد کا مطلب کیا ہے؟

اگر اس آیت کی روشنی میں غور کریں اور اسے ہندوستان جیسے ملک کے حالات پر منطبق کریں تو جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں دشمن سے مقابلہ اور اس سے مدافعت کا سب سے بڑا ہتھیار حق رائے دہی ہے؛ اسی لئے مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں طاقت مہیا کرنے سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں، جو کسی قوم کو قوت فراہم کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہیں :ھذا عام في کل ما یتقویٰ به علی حرب العدو (۱) مشہور مفسر علی بن محمد الشیحی خازن (م:۷۴۱) لکھتے ہیں کہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ ضرورت کے وقت دفاع کے لئے ضروری اسباب مہیا رکھے جائیں ''ألإعداد اتخاذ الشئی لو قت الحاجة الیه'' (۲) اور ایک جمہوری نظام میں دفاع کا ہتھیار حاصل کرنے اور اس کو محفوظ کرنے کی صورت یہی ہے کہ ہم اپنا نام ووٹر لسٹ میں درج کرائیں کیوں کہ ووٹ ہی ہمارا ہتھیار ہے۔

ووٹر آئی ڈی بنوانے پر خرچ کا ثواب ملے گا

دفاع کی تیاری کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی فضیلت بھی بیان کی ہے کہ جو کچھ اللہ کے راستہ میں خرچ کروگے، اللہ تعالیٰ تمہاری طرف اس کو لوٹائیں گے، یعنی اس کا اجر عطا کریں گے ''وَمَا تُنفِقُوْا مِنْ شَيْئٍ فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ'' (۳) یہ بھی معلوم ہوا کہ دفاع کی جو بھی جدو جہد ہو، اس میں پیسہ خرچ کرنا باعث اجر وثواب ہے، ووٹر لسٹ میں ناموں کے اندراج کی جو مہم چلائی جا ئے، اس میں مالی وسائل کی بھی ضرورت پیش آئے گی؛ تا کہ اس کام کے لئے کچھ فعال لوگوں کی خدمات حاصل کی جائیں، اس میں خرچ کرنا بھی کارِ ثواب ہے۔

ووٹ اس وقت کا جہاد کیسے ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک طرح کا جہاد ہے، جہاد صرف میدان جنگ میں تلوار چلانے کا ہی نام نہیں ہے؛ بلکہ جہاد زبان سے بھی ہوتا ہے، اگر ظالم کے خلاف زبان کھولی جائے اور ماحول سے خوف زدہ ہوئے بغیر

---

(۱) مفاتیح الغیب: ۱۵/۴۹۹

(۲) تفسیر خازن ۲: /۳۲۲

(۳) انفال: ٦٠

ظالم کو ظالم کہا جائے تو یہ بھی جہاد ہے؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو سب سے افضل جہاد قرار دیا ہے کہ ظالم کے سامنے حق بات کہی جائے "أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر"(۱) اسی طرح جہاد مال سے بھی ہوتا ہے۔ "فَضَّلَ اللهُ المُجَاهِدِينَ بِأموَالِهِم وَ أنفُسِهِم" (۲) کہ ظلم کو روکنے اور انصاف قائم کرنے کے لئے مال خرچ کیا جائے، پس ایک جمہوری ملک میں ووٹ کا حق حاصل کرنا جہاد کے لئے ہتھیار حاصل کرنا ہے، اور ووٹ دینا ظالم کے خلاف جہاد کرنے کے مترادف ہے؛ بشرطیکہ ووٹ کا استعمال اچھے اُمیدوار کے حق میں کیا جائے۔

کیوں کہ جہاد کا ایک ہی طریقہ متعین نہیں ہے، ہر دور میں اس دور کے لحاظ سے دشمن سے مقابلہ کا ہتھیار ہوا کرتا ہے، جمہوری نظام میں کسی قوم کا حق رائے دہی حاصل کرنا بھی ایک جہاد ہے، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ آسام میں کتنے ہی مسلمانوں کے نام ووٹر لسٹ سے نکال دیے گئے ہیں، اور انھیں بغیر دلیل وثبوت کے غیر ملکی قرار دیا جا رہا ہے، ملک کے مختلف علاقوں کی ووٹر لسٹ سے مسلمانوں کے نام غائب ہیں، یہ بڑی خطرناک بات ہے؛ اس لئے اس وقت تمام انصاف پسند ہندوستانیوں اور مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اس مسئلہ پر توجہ دیں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ کوئی نام ووٹر لسٹ میں آنے سے رہ نہ جائے، یہ جمہوریت میں ظالم حکومتوں سے لڑائی کا ہتھیار اور اپنی مدافعت کی سب سے مؤثر تدبیر ہے۔

جہاد کا مقصد متعین ہے؛ مگر وسائل متعین نہیں

جہاد کا مقصد متعین ہے؛ لیکن آلات و وسائل متعین نہیں ہیں، ہر زمانہ میں جو طاقت اور جو صلاحیت انصاف کو قائم کرنے میں ممد و معاون ہو سکتی ہے، ظالموں کو زیر کر سکتی ہے، اور سماج پر اثر انداز ہو سکتی ہے، ان وسائل کا استعمال کیا جانا چاہئے، اس سلسلہ میں قرآن مجید کا یہ ارشاد ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ (جہاں تک ہو سکے، ان کے مقابلہ میں طاقت کو منظم کرو) "وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ"۔ (۳)

مشہور مفسر علامہ فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے کہ یہ ہر ایسی چیز کو شامل ہے، جس کے ذریعہ دشمن سے مقابلہ کیا جا سکتا ہو: "هذا عام في كل ما يتقوّى به على حرب العدوّ" (۴) اس سے کون سے ہتھیار مراد

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۱۱۴۳

(۲) نساء: ۹۵

(۳) انفال: ۶۰

(۴) مفاتیح الغیب: ۵۳۰/۸

ہیں؟ مفسرین نے اس کو بھی متعین کرنے کی کوشش کی ہے؛ چنانچہ بعض اہل علم نے تیر اندازی مراد لی ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے پڑھنے کے بعد تین دفعہ فرمایا کہ اصل قوت تیر اندازی ہی میں مضمر ہے: ”ألا إن القوة الرمي“(۱) خود قرآن مجید کی اس آیت میں گھوڑوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو گذشتہ زمانوں میں جنگ کے لئے ایک مفید، ذہین اور تیز گام سواری تھی، ذکر تیر کا ہو یا گھوڑے کا، یہ ایک علامتی لفظ ہے، جس کا مقصد ہے ہر دور کے مؤثر اور طاقتور ترین ہتھیار کا استعمال۔

جمہوری نظام حکومت کا ایک اہم اور بنیادی عمل الیکشن ہے، الیکشن میں زیادہ ووٹ حاصل کر کے اقتدار حاصل کیا جاسکتا ہے، اور ووٹ کی طاقت استعمال کر کے حکومتیں بدلی جاسکتی ہیں؛ اس لئے حکومتوں کو گرانے اور ختم کرنے اور حکومتوں کی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے کے لحاظ سے الیکشن بھی اس قوت میں شامل ہے، جس کے جمع کرنے کا قرآن مجید نے حکم دیا ہے، خصوصاً ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، الیکشن کی سیاست میں مسلمانوں کے حصہ لینے کی بے حد اہمیت ہے۔

ملک میں امن کا قیام ملکی وشرعی فریضہ ہے جو ووٹ سے حاصل ہوتا ہے

حضرت مولانا مفتی تجمل حسین صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں ”ملک میں امن وامان کے قیام کی فکر حضرات انبیاء کرام علیہ السلام کی سنت رہی ہے، اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پروردگار سے دعا مانگی: ”رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ“(۲) اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ کی بندگی امن وامان کی فضاء میں انجام دینے کی فکر کرنا ضروری ہے، اسی طرح اسوۂ رسول اکرم ﷺ بھی اس پر شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے جب مکہ میں آنے والے سوداگروں پر ظلم ہوتا دیکھا تو آپ ﷺ نے ظلم وستم کے ازالہ کے لئے فکر فرمائی، ذی وقار اور بااثر سرداران مکہ کی کابینہ بلائی اور اس کا بنیادی نکتہ دفاع ظلم تھا، اور آپ نے اس تنظیم کا نام حلف الفضول رکھا، حلف کے معنی قسم کھانے کے آتے ہیں، حلف الفضول امت مسلمہ کے لئے ایک تاریخی ابدی نام ہے، رہتی دنیا تک اہل اسلام کے لئے ایک اہم پیغام ہے کہ انسانیت پر ہونے والے ظلم وستم کے خلاف امن وامان کا علم بلند کیا جائے؛ تاکہ ظلم وستم کا خاتمہ ہوجائے۔

موجودہ زمانہ میں اقلیتوں پر ظلم وستم کی بنیادی وجہ ظالم حکمرانوں کا اقتدار پر آنا ہے، اور اقتدار پر لانے کی باگ ڈور رعایا کے ہاتھ میں ہوتی ہے، کہ وہ ووٹ کی طاقت کے ذریعہ امن پسند حکمران کا انتخاب کرسکتی

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۵۰۵۵

(۲) البقرہ: ۱۲۶

ہے، ورنہ شر پسند طبقہ مسند اقتدار پر متمکن ہو کر انسانیت پر ہمیشہ ظلم وستم کرتا چلا آیا ہے، قرآنی تاریخ بھی یہی بتلاتی ہے کہ جب بھی ظالم نے حکمرانیت کا تخت سنبھالا ہے وہ ظلم وبربریت کی ہمیشہ دو دھمکیاں دیتا چلا آیا ہے:

(۱) ہم تم کو ہمارے اس ملک میں رہنے نہیں دیں گے ملک سے دربدر کردیں گے، یا تمھاری املاک چھین کر ڈیٹنشن سنٹر میں ڈالدیں گے، یہ ساری ظالمانہ کارروائیوں کا اشارہ ''لنخرجنکم من ارضنا'' سے ملتا ہے۔(۲) اگر ہمارے ملک میں رہنا ہے تو پھر ہمارے کفروشرک والی ملت میں داخل ہونا پڑے گا، بہ الفاظ دیگر گھر واپسی ضروری ہوگی، دھرتی کو مقدر سنوارنے والی خدائی طاقت تسلیم کرنا ہوگا، آنے والی جدید نسلوں کے ایمان کا خاتمہ کرنا ہوگا، توحیدی نغموں کے بجائے زبانوں سے وندے ماترم، سوریا نمسکار، سرسوتی وندنا جیسے شرکیہ کلمات گوارہ کرنا ہوگا؛ یہ تو ظلم بالائے ظلم ہے، ظاہر ہے کہ اسلام ایسے ظالمانہ مشرکانہ قانون کو کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کرے گا''۔

ظالم کو ظلم سے روکنے کے لیے ووٹ ڈالنا ضروری ہے

مفتی تجمل حسین صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا: بلالحاظ مذہب وملت تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ''أنصر أخاک ظالما أو مظلوما'' آپ ﷺ نے باوجود یہ کہ ظالم قابل ملامت ولعنت ہوتا ہے پھر بھی اس کے اخوت کی قرابت داری کا لحاظ رکھتے ہوئے مزید بڑھتے ظلم کے ازالہ کی تعلیم فرمائی ہے، اخوت کی قرابت داری جانبین میں بھی ملحوظ رکھی گئی ہے؛ تاکہ مظلوم کو راحت ملے اور دیگر بھائیوں تک ظالم کا آہنی پنجہ پہنچنے سے پہلے پہلے اس کو مروڑ دے۔

موجودہ حالات میں سب سے زیادہ ترجیحی کام انسدادِ ظلم ہے

مذکورہ حدیث پاک سے یہ پیغام ملتا ہے کہ اس ظلم کی دنیا میں کیا جانے والا سب سے زیادہ ترجیحی کام انسدادِ ظلم ہے، اس لیے ظالم حکمرانوں کے پنجوں کا پکڑ لینا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اور انسانوں کو ظلم سے روکنا ملتِ اسلامیہ پر شرعاً واجب ہے؛ تاکہ ملک کا امن وامان خطرے میں نہ پڑ جائے، اور اس کا واحد حل یہ ہے کہ ووٹ کی طاقت کے ذریعہ ظالم کو تخت حکومت پر براجمان ہونے سے روکا جائے، ووٹ کی طاقت کا مظاہرہ وہی انجام دے سکتے ہیں جن کے پاس ووٹر آئی ڈی کا قیمتی ہتھیار ہو، اس لیے ووٹ ڈالنے سے پہلے رائے دہی کے شناختی کارڈ کا حصول بھی ضروری ہے، اس وقت ظالم حکمرانوں کو شکست فاش دی جانے والی ایک کامیاب ومؤثر تدبیر ہے، یہ وقت کا ایک خاموش جہاد ہے، ورنہ کہیں یہ مجرمانہ خاموشی امت مسلمہ کی اجتماعی

خودکشی کے مترادف نہ ہوجائے‘‘۔

مسلمانوں کے ووٹ کو بے اثر کرنے کی کوشش

الیکشن میں مسلمانوں کے ووٹ کو بے اثر کرنے کے لئے دُوررس اور بظاہر دلفریب سازشیں بھی کی جاتی ہیں، اور مضبوط مسلمان اُمیدوار کے مقابلہ میں مسلمان اُمیدوار ہی کھڑے کئے جاتے ہیں، ایسے موقع پر ضروری ہے کہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کیا جائے اور جیسے اسلام دشمن طاقتیں عہد نبوی میں منافقین کو اپنا آلۂ کار بناتی تھیں؛ لیکن مسلمان اس سے متأثر نہیں ہوتے تھے، اس اُسوہ کو سامنے رکھا جائے، اگر کچھ مسلمان اُمیدوار پیسے لے کر مسلمان یا سیکولر اُمیدوار کو نقصان پہنچانے کے لئے کھڑے ہوں تو یہ یقیناً رشوت ہے اور بمقابلہ عام رشوتوں کے زیادہ گناہ کا باعث ہے؛ کیوں کہ اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔

۲۰۱۴ء اور ۲۰۱۹ء میں مسلمانوں کی تین بڑی غلطیاں

ان غلطیوں کا اعادہ نہ کیا جائے جو ۲۰۱۴ء کے انتخابات میں ہوئیں اور جن سے فرقہ پرستوں کے لیے اقتدار تک رسائی ممکن ہوئی، ۲۰۱۴ء کے انتخابات میں مسلمانوں سے تین ایسی فحش غلطیاں سرزد ہوئیں جنہوں نے بی جے پی کے لیے اقتدار کا راستہ ہموار کیا، پہلی غلطی یہ تھی کہ ۵۰ فیصد مسلمانوں کے نام ووٹر لسٹ سے غائب تھے؛ لیکن مسلمانوں نے ان کے اندراج کی فکر نہیں کی، اور اس طرح ایک بڑی تعداد حق انتخاب کے استعمال سے محروم رہی، جس کا راست فائدہ فرقہ پرست امیدواروں کو ہوا۔ دوسری بڑی غلطی یہ تھی کہ ووٹر لسٹ میں موجود ۵۰ فیصد مسلمانوں نے مکمل پولنگ میں حصہ نہیں لیا، مسلم علاقوں میں پولنگ شرح بہت کم رہی کہیں ۴۰ فیصد تو کہیں ۳۰ فیصد، اکثر مسلمان الیکشن کے موقع پر ووٹ ڈالنے میں سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرتے ہیں، جس سے دوسروں کو فائدہ پہونچتا ہے۔ تیسری بڑی غلطی یہ ہوئی کہ حق انتخابات استعمال کرنے والے مسلمان متحدہ ووٹ استعمال کرنے کے بجائے مسلک اور فرقوں میں بٹ گئے، مسلم امیدواروں کی ناعاقبت اندیشی نے مسلمانوں کے انتخابی اتحاد کو پارہ پارہ کردیا۔ اس طرح مسلمانوں کے ووٹ بے اثر ہوکر رہ گئے۔ حالیہ انتخابات میں ان غلطیوں کا اعادہ نہ ہو اس کے لیے منظم منصوبہ بندی کی ضرورت ہے، سب سے پہلے ووٹر لسٹ سے جن کے نام حذف ہیں وہ اپنے ناموں کے اندراج کے لیے فوری حرکت میں آئیں۔ تاریخ انتخابات کو باشعور مسلمانوں کا ایک طبقہ گھر گھر محلہ محلہ پہونچ کر مسلمانوں میں سو فیصد پولنگ کو یقینی بنائے۔ نیز مسلم ووٹوں کو انتشار سے بچانے کے لیے مسلم مذہبی وسیاسی جماعتیں متحدہ لائحہ عمل بنائیں، انتخابات سے قبل مسلم

جماعتیں الگ الگ سیاسی پارٹیوں کے لیے تائیدی اپیل کا نہ اعلان کریں،سوشل میڈیا پر غیر ضروری انتشار سے بچیں، ان مسلم امیدواروں سے عوام کو چوکنا رکھیں جنہیں فرقہ پرست جماعتیں پیسوں کا لالچ دے کر ووٹ تقسیم کرنے کے لیے کھڑا کرتی ہیں"۔(۱)

ووٹ کا صحیح استعمال ہوتا تو یہ دن نہ ہوتے

مفتی جمال الدین صاحب قاسمی زید فضلہ فرماتے ہیں کہ"اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کے جو دل فگار حالات ہیں، وہ کسی حساس اور باشعور انسان سے مخفی نہیں ہے، ہر آنے والا دن مسلمانوں کے لیے ایک نئی مصیبت لے کر طلوع ہوتا ہے، مصائب کے ہجوم اور ستم گاریوں کے تلاطم نے امت مسلمہ کے دل و دماغ کو ماؤف اور اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے، کبھی اظہار رائے کی آزادی کے نام پر شان رسالت میں گستاخی تو کبھی صنف نازک کی آزادی کا نعرہ لگا کر شریعت کی تعلیمات میں ترمیم و تنسیخ تو کبھی لو جہاد کے نام پر مسلمانوں کا قتل تو کبھی گاؤ رکھشا کے نام پر سماج میں انتشار پھیلانے کی کوشش، اور مسلمانوں کے بے دردی سے قتل، یہ وہ سنگین حالات ہیں، جن سے مجموعی طور پر مسلمانان ہند گزر رہے ہیں۔

مفتی تجمل حسین صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: "موجودہ دور میں ہندستان اسلام دشمنی کی لپیٹ میں ہے اسلام دشمنی میں دن بہ دن اضافہ ہوتا ہی جارہا ہے، کہیں تو قرآن مجید کے نسخے جلا کر دشمنی کی آگ بھڑکائی جارہی ہے، کبھی اسلام کے منصفانہ مزاج کے خلاف یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا نعرہ لگایا جارہا ہے، اسلام کی شبیہ بگاڑ نے لو جہاد جیسی غلط اصطلاحات گھڑی جارہی ہے، عورت کے ساتھ جھوٹی ہمدردی کے سہارے طلاق ثلاثہ کے حکم کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی ناپاک سازش کی جارہی ہے، گھر واپسی کے مقصد سے مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جارہا ہے، ملک کے بعض گوشوں میں مسلمانوں کا سماجی بائیکاٹ کیا جارہا ہے ،اسلامی مراکز ومدارس پر حملے کئے جارہے ہیں، کہیں مدارس کے معصوم بچوں کا بہیمانہ قتل کیا جارہا ہے، گھروں میں گھس کر عورتوں کے ساتھ نازیبا سلوک، ملت اسلامیہ کی دوشیزاؤں کی عزت وعصمت تارتار کی جارہی ہے ، پوری منصوبہ بندی کے ساتھ شہر شہر، دیہات دیہات میں مسلمانوں کے خلاف ملک کے سادہ لوح برادران وطن کے دلوں میں زہر گھولا جارہا ہے ، ملک کے تقریباً ہر صوبہ میں اہل اسلام کا دائرہ تنگ سے تنگ کیا جارہا ہے، ملک کی اسلام دشمن تنظیمیں آر ایس ایس ، ہندو اپریشد، بی جے پی اور ان کے جملہ لیڈران انتہائی متحرک وفعال ہو چکے ہیں ، اسلام کے خلاف ایک دستور نامہ ۳۵ دفعات پر تیار کر چکے ہیں ، اسی کو روبہ عمل لانے کی

(۱) بصیرت آن لائن، حضرت مولانا احمد ومیض ندوی نقشبندی صاحب دامت برکاتہم

پوری جستجو میں لگے ہوئے ہیں، اگر ۲۵ کروڑ مسلمانانِ ہند بھی شروع ہی سے متحد ہوکر منصوبہ بندی کے ساتھ حکمت عملی اختیار کرتے تو آج یہ نوبت نظر نہ آتی کہ جس کو دیکھ کر دل جل رہے ہیں، خاص طور پر جمہوری ملک میں دانشمندی کے ساتھ انتخابی مہم کو صحیح رخ دیا جاتا اور ووٹ کا صحیح استعمال ہوتا تو شاید ایسے حالات کا سامنا نہ کرنا پڑتا''۔(۱)

آج مسلمانوں کے حقوق ان سے چھینے جارہے ہیں، ملک وقوم کے مفادات کو نظر انداز کیا جارہا ہے، کبھی ہندو مسلم فسادات کو لے کر نفرت کی آگ بھڑکائی جاتی ہے، اور کبھی مسلمانوں کے دین وایمان پر حملہ ہوتا ہے؛ یہ ساری صورتِ حال پیدا ہوئی ہے غلط حکومت بننے اور برا حاکم اقتدار سنبھالنے کی وجہ سے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ووٹ اپنے صحیح مصرف میں استعمال نہیں کیا جارہا ہے، اگر لوگ ووٹ کی شرعی حیثیت سے واقف ہوجائیں اور ووٹ کی اہمیت وضرورت معلوم کرکے اسے صحیح استعمال کرنے کی کوشش کریں تو یہ دن نہ ہوتے۔

عبرت لینے کے لئے کیا پچھتر سالہ تاریخ کافی نہیں ہے؟

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمیؔ چشم کشا تحریر رقم فرماتے ہیں کہ: ''انتخابی انقلاب کا یہ مرحلہ کس قدر نازک، کس قدر خطرناک یا کس قدر بہتر اور کس قدر خوش آئند ہوسکتا ہے اس کا اندازہ بلاتفریق مذہب وملّت وطن عزیز کے باشعور افراد کو ہونا چاہئے، گذرے دورِ حکومت میں ملک نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے وہ سب کے سامنے ہے اور اس منظر نامے کے تناظر میں ہمیں اس حقیقت کے اعتراف میں مکمل کشادہ دلی اور فکری وسعت کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم نے ستّر سالوں پر محیط ماضی میں اپنے بیش قیمت ووٹ کے استعمال میں کہاں کہاں غلطیاں کی ہیں اور اس کے نتائج نے ہماری روبہ تنزل فکری پستی اور طبقہ اشراف سے لے کر عام سطح تک کے آپسی انتشار ومخالفتوں نے آج ہمیں کس حد تک حاشیہ پر پہنچا دیا ہے اور منجملہ دیگرے اس کا ایک بین اور واضح ثبوت یہ ہے کہ ہمارے آج کے حکمراں جو کہ درحقیقت ہمارے اپنے کردار وعمل کے ہی آئینہ دار ہیں، وہ کس زاویہ فکر ونظر کے حامل لوگ ہیں اور کیا ان کے عزائم ومنصوبے ہیں اور اس میں ہمارے صحیح یا غلط فیصلوں کو کتنا دخل ہے اور ستّر سال سے محض ہماری ''ایک بھول'' اور ''ایک غلطی'' کے استمرار نے ہمیں بھی ان کے سیاسی جرائم میں کس حد تک ان کا شریک کار بنایا ہے؟ یہ وہ سوال ہے کہ جس کا جواب کسی اور سے نہیں بل کہ خود اپنے دل سے، اپنے ضمیر سے لئے جانے کی ضرورت ناگزیر ہوچکی

(۱) ووٹ اورانتخابات، اہمیت وضرورت، مقدمہ: ۱۲

ہے۔خرابی بسیار کے بعد بھی اگر سنجیدہ غور وفکر کے نتیجہ میں ہم صحیح فیصلے تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں تو خود احتسابی سے ہی اس کا آغاز کرنا ہوگا؛ کیوں کہ موجودہ پارلیمانی نظام حکومت میں جو حکومت بھی برسر اقتدار آتی ہے وہ انتخابات کے ذریعہ ہمارے اور آپ کے ووٹوں کے وسیلے سے ہی ایوان اقتدار کے مناصب تک پہنچتی ہے اور حکومت کے اعمال وافعال اس کے منتخب کرنے والے عوام کے صحیح یا غلط فیصلوں کی طرف ہی اس کا انتساب ہوتا ہے''۔

غرض کہ جمہوری نظام میں ووٹ ایک اہم طاقت اور ایک مؤثر ہتھیار ہے اور مسلمانوں کا ملی فریضہ ہے کہ وہ نہایت شعور، ہوش مندی اور سمجھداری کے ساتھ اس ہتھیار کا استعمال کریں، نہ اپنے دشمنوں کے آلہ کار بن جائیں اور نہ جذبات کی رو میں بہہ کر ایسا قدم اُٹھائیں جو خود ان کے لئے نقصان دہ ہو۔اس لئے ہر بالغ کو ووٹر آئی ڈی بنوانا ضروری ہے۔(جدید فکری مسائل)

ووٹ سے پانچ سال تک نصیب حوالہ کر دیا جاتا ہے

مفتی جمال الدین صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں''ہندستان ایک جمہوری ملک ہے اور جمہوری ممالک میں ووٹ بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، ووٹ کا صحیح اور درست استعمال کر کے زمامِ اقتدار ایسے لوگوں کو سونپا جا سکتا ہے، جو فرض شناس ہوں اور عوام الناس کی خدمت کا بے لوث جذبہ رکھتے ہوں اور ووٹ کے غلط استعمال سے ایسے خائن اور لٹیرے لیڈر برسر اقتدار آجاتے ہیں، جو پانچ سال تک عوام کے لیے نا قابل برداشت بوجھ ثابت ہوتے ہیں اور ان کی غیر منصفانہ پالیسوں سے پورا ملک بدامنی اور عدم استحکام کا شکار ہو جاتا ہے؛اس لیے مسلمانوں کو سیاسی شعور بیدار رکھنا بے حد ضروری ہے۔

ووٹ ملکی ،مذہبی ،ملی ،اخلاقی اور انسانی ضرورت ہے

قانون شریعت کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں، دینی شعائر کی پامالی کی جارہی ہے، ناجائز قتل وغارت عام ہوتی جارہی ہے، کبھی گائے کے نام پر تو کبھی لڑکیوں کے نام مسلمانوں کے خون کو حلال تصور کیا جارہا ہے، مدرسہ کے معصوم بچوں کو دن دھاڑے موت کے گھاٹ اتار دیا جارہا ہے، مسجدوں میں اذان پر پابندی عائد کی جارہی ہے، مسلم شہروں اور سڑکوں کے نام بدلے جارہے ہیں، ایسی صورت حال میں ووٹ صرف ایک سیاسی ضرورت نہیں ؛ بل کہ ملکی ،مذہبی ،ملی ،اخلاقی اور انسانی ضرورت ہے۔(۱)

---

(۱) ووٹ اور انتخابات ،اہمیت وضرورت ،تقریظ:۱۸

ہر ووٹ اپنی جگہ بہت قیمتی ہے

جمہوریت میں ووٹ ایک مقدس حیثیت ہی نہیں رکھتا؛ بل کہ ایک زبردست طاقت بھی رکھتا ہے۔

☆ 1994ء میں صرف 17/ووٹوں کی اکثریت سے گجرات میں ''وڈورا'' سے لوک سبھا کے لئے ایک نوجوان نے جیت حاصل کی۔

☆ 1989ء میں بھی صرف 9/ووٹوں سے کنڈیڈیٹ کو آندھرا پردیش میں انکا پلی سے لوک سبھا کے لئے منتخب کیا گیا۔دہلی میں مشہور فلمی اداکار آنجہانی راجیش کھنہ سے مشہور بی جے پی لیڈر لال کرشن اڈوانی نے صرف 52/ووٹوں سے جیت حاصل کی تھی۔

☆ ستمبر، اکتوبر 2014ء میں مہاراشٹر کے الیکشن میں ۹/مسلم امیدوار صرف ایک ہزار یا اس سے کم کے فاصلے سے ہار گئے اور بی جے پی کے 14/کنڈیڈیٹس نے صرف ساڑھے چار فیصد زیادہ ووٹ ملنے پر جیت حاصل کی۔

☆ اتر پردیش کے پچھلے اسمبلی کے الیکشن میں سماج وادی پارٹی کے 70 ایم۔ایل۔اے 500/یا 1000 ووٹوں کے فرق سے ہار گئے تھے اور 16/ایم۔ایل۔اے 5000/سے کم ووٹوں کے فرق سے ہار گئے تھے۔(۱)

اس لئے ووٹنگ کے دن کو پکنک ڈے (Picnic Day) نہ بنائیں، اپنے ملک، اپنی ریاست کی بقا کے لئے ووٹنگ کے دن کو یوم جمہوریت کی طرح منائیں۔جمہوری ملک میں ''ووٹ'' ڈالنے کا دن عید کا دن ہے، جس طرح ہر قوم اپنے اپنے تہواروں میں خوشیاں مناتی ہیں اسی طرح ملک کے ہر باشندے کو جمہوریت کی اس خوشی میں شامل ہونا چاہیے۔

جمہوری ملک میں ووٹ طاقت ہے

☆ جمہوری ملک میں ووٹ ہر سیاسی تنظیم کی طاقت ہے، بابری مسجد کا فیصلہ اسی ووٹ کی طاقت سے حاصل کیا گیا۔

☆ مسلم پرسنل لا پر حملہ اسی ووٹ کی طاقت سے ہوا... دفعہ 370 اسی ووٹ سے ختم کیا گیا... ظلم وستم کا پہاڑ اسی ووٹ سے توڑا کیا گیا۔

(۱) نارائن دت ترپاٹھی سابق بی بی سی رپورٹر، پروگرام یوپی کا مہا بھارت این۔ڈی۔ٹی۔وی۔

☆مسجدوں پر بلڈوزر اسی ووٹ کی طاقت سے چلایا گیا... قانون شریعت اوردینی شعائر کی پامالی اسی ووٹ کی طاقت سے کی گئی۔

☆شہروں اورآبادیوں کو ویران اسی ووٹ کی طاقت سے کیا گیا.... گائے کے نام پر انسانوں کا قتل ووٹ کے نام پر ہی کیا گیا۔

☆ مسلم لڑکیوں کے ارتداد کی منظم سازش اسی ووٹ کے نام پر کی جارہی ہے.... ☆مدارس کو دہشت گردی کے اڈے اورعلماء کو دہشت گرد کا الزام اسی ووٹ سے حاصل طاقت کی بناء پر لگایا گیا.... ☆ اذاں پر پابندی اورمسلم شہروں کے نام بدلنے کی گھٹیا حرکت اسی ووٹ کی طاقت سے کی گئی ... ☆ شہروں میں فساد مچا کر مسلمانوں کے املاک کو ہلاک کرکے مسلمان نوجوانوں کو جیل کی سزا اسی ووٹ کی طاقت پر دی جارہی ہے... ☆ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کو نفرتوں کی آگ میں اسی ووٹ کی بناء پر جھونکا کیا گیا.... ☆ مذہبی آزادی کو اسی ووٹ کی طاقت سے ختم کیا جارہا ہے.... ☆مسلمانوں کی شبیہ کو اسی ووٹ کی طاقت پر بدنام کیا جارہا ہے... ☆ ہندوراشٹر بنانے کی سازش اسی ووٹ کی طاقت پر کی جارہی ہے.... ☆سرکاری شعبہ میں ہر اعلی عہدے پر اپنے چیلوں کو اسی ووٹ کی طاقت پر بٹھایا جارہا ہے... ☆ مسلمانوں کو انکے حقوق سے محروم اسی ووٹ کی طاقت پر کیا جارہا ہے... ☆ صرف ایک فرد کا ووٹ بھی سیاستدانوں کی تقدیر بدل دیتا ہے ... ☆ ووٹ ہی وہ طاقت ہے جس کے ذریعہ باطل طاقتوں کو شکست دی جاسکتی ہے... ☆ ووٹ کی بنیاد پر ہی حکمران بھی عوام کے سامنے کبھی نہ کبھی ہاتھ جوڑنے پر مجبور ہوجاتا ہے... ☆ کالے دھن والوں کی جنم کنڈلیاں اسی ووٹ کی وجہ سے بند ہیں... ☆ سوئس بینک اکاؤنٹ والوں کا بلیک منی اسی ووٹ کی وجہ سے محفوظ ہے... ☆ نوٹ بندی کے دوران کتنا کالا دھن وائٹ کردیا گیا وہ اسی ووٹ کی طاقت سے ہے، 15 لاکھ روپے دینے کا وعدہ کرکے سب کو بینک سے جوڑا گیا اسی ووٹ کی طاقت سے ہے... ☆ دوکروڑ ملازمتیں دینے کے وعدہ پر ووٹ حاصل کیا گیا مگر اسی ووٹ کی طاقت سے بے روزگار و بے گھر کیا گیا۔

ووٹ مذہبی تشخص کی بقاء کا ذریعہ ہے

☆ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ”جمہوری نظام کی تشکیل ووٹ سے ہوتی ہے، اس لیے جمہوری نظام میں ووٹ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ووٹ کے ذریعہ آپ ایسے نمائندوں کو اقتدار پر لاسکتے ہیں، جن کے ذریعہ آپ کی مذہبی آزادی کا زیادہ تحفظ ہو اور آپ کے مذہبی

تشخصات باقی رہیں ؛ کیوں کہ یہ ووٹ ہی کی قوت ہے کہ اکثریتی فرقہ کے قائدین اور ارباب اقتدار آپ کا سامنا کرتے ہیں، آپ کے آنسو پونچھنا چاہتے ہیں، آپ سے عہد و پیمان باندھتے ہیں، اگر آپ اپنے آپ کو حق رائے دہی سے محروم کرلیں اور انہیں معلوم ہوجائے کہ آپ انہیں کچھ دینے کے موقف میں نہیں ہیں، صرف ان سے لینا چاہتے ہیں تو وہ پھٹک کر بھی آپ کی طرف نہ دیکھیں اور جو کچھ آپ کے مذہبی حقوق محفوظ ہیں، ان سے بھی آپ محروم ہوجائیں"۔(۱)

ووٹر آئی ڈی بنوانا شہریت کے ثبوت کے لئے بھی ضروری ہے

CAA-NRC کے موقع پر شہریت کے ثبوت کے لئے کاغذات کی سخت ضرورت ہوتی ہے، ملک کا سب سے بڑا ہنگامہ شہریت کا ہی ہوا تھا، مگر یہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے، اس کی بھی پلاننگ اپنی جگہ چل رہی ہے، اور ایک بھارتی کے پاس جتنے ڈاکومنٹس ہیں ان میں اوّل درجہ میں برت سرٹیفکٹ ہے، مگر اس میں کافی دشواری ہے جیسے ۱۹۵۰ء تک جن کی پیدائش ہے ان کی شہریت کے لئے کوئی بھی سرکاری کاغذ چل جائے گا، ۱۹۵۰ء سے ۱۹۸۷ء تک جن کی پیدائش ہے، ان کی برت سرٹیفکٹ ضروری ہے، ۱۹۸۷ء سے ۲۰۰۴ء تک جن کی پیدائش ہے ان کی شہریت کے لئے والدین میں سے کسی ایک کا بھی برت سرٹیفکٹ ضروری ہے، ۲۰۰۴ء کے بعد سے جو بھی پیدا ہوئے ہیں انہیں اپنی شہریت کے لئے اپنی برت سرٹیفکٹ کے علاوہ والدین کا بھی برت سرٹیفکٹ دینا ہوگا، اور یہ سب دستاویزات آپس میں بغیر کسی اسپلنگ کی غلطی کہ ہونا ضروری ہے، ظاہر سی بات ہے یہ کام صرف جاہلوں کو نہیں تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے بھی دشوار ہے، بالخصوص خواتین کے لئے، کیونکہ یہاں شادی کے بعد سرنیم لگا دیا جاتا ہے، اس شادی سے پہلے کے تمام کاغذات کو برابر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ یہی مشکل آسام میں ہوئی کہ چالیس ہزار لوگوں کے نام ووٹر لسٹ سے نکال دیئے گیے، بہت احتجاج کے بعد بیس ہزار کے شامل کئے گئے مگر باقی کو اسی غلطی کی وجہ سے بڑی قیمت چکانی پڑ رہی ہے۔

برت سرٹیفکٹ کے علاوہ جتنے کاغذات ہیں، پین کارڈ، آدھار کارڈ، راشن کارڈ وغیرہ کوئی بھی کارڈ شہریت کے لئے نہیں ہوتا ہے، خود آدھار کارڈ پر لکھا رہتا ہے کہ "یہ شہریت کی دلیل نہیں ہے"۔

پاس پورٹ شہری کو ہی دیا جاتا ہے، مگر حکومت اسے شہریت کی دلیل ماننے تیار نہیں ہے، اندھیر نگری چوپٹ راجہ کی حکومت میں ایسا ہی ہوتا ہے، اب باقی رہا صرف ووٹر آئی ڈی، اس کو بناتے وقت جو سوالات

---

(۱) کتاب الفتاویٰ :۶/ ۲۸۰

ہوتے ہیں اس میں ایک سوال ہوتا ہے کہ" کیا آپ ہندوستانی ہیں؟" بنوانے والا اس پر کلک کرتا ہے یعنی اپنے ہندوستانی ہونے کا اقرار کرتا ہے، جس کے بعد الیکشن کمیشن جو حکومتی شعبہ ہے اسے تسلیم کرلیتا ہے، جس کے بعد ووٹ ڈالنے کا حق دیا جاتا ہے، اس لئے ووٹر آئی ڈی بنوانا صرف الیکشن کی خاطر نہیں اپنے ہندوستانی ہونے کے لئے بھی ضروری ہے، اس لئے جن کا نہیں بنا وہ نیا ووٹر آئی ڈی بنوائیں، جن کا بن چکا وہ چیک کروالیں، جو انتقال ہو گئے یا بیرون ملک چلے گئے ان کے نام کٹوادیں یہ سب ضروری امور ہیں۔

ووٹ سے دوری خواہ نیک نیتی سے ہو مگر نادانی ہے

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی بیان فرماتے ہیں : پہلی غلط فہمی تو سیدھے سادے لوگوں میں اپنی طبیعت و شرافت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، ان کا منشاء اتنا برا نہیں؛ لیکن نتائج بہت برے ہیں، وہ غلط فہمی یہ ہے کہ آج کی سیاست مکر و فریب کا دوسرا نام بن چکی ہے، اس لیے شریف آدمیوں کو نہ سیاست میں حصہ لینا چاہیے اور نہ ہی الیکشن میں کھڑا ہونا چاہیے اور نہ ہی ووٹ ڈالنے کے خرخشے میں پڑنا چاہیے۔

یہ غلط فہمی خواہ کتنی ہی نیک نیتی کے ساتھ پیدا ہوئی ہو؛ لیکن بہر حال غلط اور ملک وملت کے لیے سخت مضر ہے، ماضی میں ہماری سیاست بلاشبہ مفاد پرست لوگوں کے ہاتھوں گندگی کا ایک تالاب بن چکی ہے؛ لیکن جب تک صاف ستھرے لوگ اس کو پاک کرنے لیے آگے نہیں بڑھیں گے، اس گندگی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا، پھر ایک نہ ایک دن یہ نجاست ان کے گھروں تک پہونچ کر رہے گی؛ لہذا عقلمندی اور شرافت کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ سیاست کی اس گندگی کو دور دور سے برا کہا جاتا رہے؛ بلکہ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ سیاست کے میدان کو ان لوگوں کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی جائے، جو اسے مسلسل گندا کر رہے ہیں۔(۱)

مسلمان اپنے ووٹ کی قیمت پہچانیں

ملک کے ہر سیاسی لیڈر کو اس بات کا احساس ہے کہ مسلمانوں کے بغیر یہ جنگ نہیں جیتی جا سکتی، ہر الیکشن میں مسلمانوں کی ضرورت رہتی ہے، الیکشن ہی کیا یہ ملک بھی مسلمانوں کے بغیر ادھورا ہے، مسلمانوں کی نمائندگی کے بغیر کوئی کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچ سکتا؛ مگر خود مسلمانوں کو اس بات کا احساس نہیں ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ووٹ دینے نہ دینے سے کیا ہوگا، جس کی وجہ سے سیاسی قائدین بھی مسلمانوں کو صرف

---

(۱) فقہی مقالات : ۲/ ۲۸۷

ووٹ بینک کے لئے استعمال کر لیتے ہیں، جب مسلمانوں کے ووٹ فیصلہ کن ثابت ہو جاتے ہیں تو مسلمانوں کے ملی مسائل پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی؟ مسلمانوں سے کئے گئے وعدے یکسر بھول جاتے ہیں، حتی کہ وزیرِ اعظم لال قلعہ کی فصیل سے ترنگا لہراتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ یہی وہ فصیلیں ہیں، جن کی تعمیر مسلمانوں نے کی ہے، جس کی حفاظت کے لئے اپنا خون بہادیا، جس کی عظمت بحال رکھنے کے لیے مسلمانوں نے اپنی بیویوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیا حتی کہ ترنگا لہراتے وقت وہ بھول جاتے ہیں کہ یہی وہ ترنگا ہے کہ جس کا رنگ بھی مسلمانوں نے بھرا، اس لیے اہتمام سے ووٹر آئی ڈی بنوائیں، لازماً ووٹ دیں، اور دیتے وقت اس احساس سے دیں کہ میں پانچ سال کے لئے ملک کا ہر مسئلہ فلاں لیڈر کے حوالے کر رہا ہوں، اور اس لیڈر یا پارٹی کا ماضی ہرگز نہ بھولیں، یاد رکھیں! تھوڑی سی غفلت اور وقتی منفعت برسوں کے لئے غلام بنادے گی، اس کے بعد کفِ افسوس ملتے رہنے اور حکمرانوں کو گالیاں دیتے رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

قطرے سے سمندر تک۔ووٹ سے حکومت تک

ایک ووٹ کسی امن پسند کو اسمبلی یا پارلیمانی سیٹس پر بٹھانے کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس لئے کہ فرد فرد کا ووٹ گھروں سے جڑ کر محلہ کا جزء بن جاتا ہے، محلہ کے جملہ ووٹ دوسرے محلہ جات سے مل کر شہر کے ووٹوں کا جزء بن جاتے ہیں، شہروں کے ووٹ دوسرے شہروں وقصبات سے مل کر ریاستی ووٹوں کا جزء بن جاتے ہیں، ریاستی ووٹ دوسرے ریاستی ووٹوں سے مل کر مرکزی ووٹوں کا جزء بن جاتے ہیں، نتیجہ کے اعتبار سے چیف منسٹر کا انتخاب ہوا ملک کے وزیرِ اعظم کا انتخاب ہوا، یہ سب نظام گھر کے ایک ووٹ سے ہی شروع ہوتا ہے، درمیان سے ایک ووٹ کا نکل جانا یا ووٹر آئی ڈی بنوانے اور ووٹ ڈالنے میں سرد مہری دکھانا ظالم کو کرسی دینا اور مسلم اقلیتوں کو کھائی میں ڈھکیلنے کے مترادف ہے، اس لئے یہ وقت ہے مشترکہ دشمن کے ساتھ متحدہ محاذ قائم کرنے کا ہے۔

ووٹ دہی میں مسلمان کی غفلت

مفتی تجمل حسین صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں ’’ہندستان میں ہر باشندہ کو اپنے ووٹ کے استعمال کا آزادانہ اختیار ہے، ووٹ کی طاقت کے ذریعہ کسی بھی نمائندہ کو منتخب کرسکتا ہے؛ لیکن مسلمان انتخاب کے مسئلہ میں بھی خواب غفلت میں ہے؛ اگر وہ رائے دہی جیسی عظیم طاقت کا پوری حکمت عملی کے ساتھ صحیح رخ دے تو ملک کی تقدیر سنور سکتی ہے، ابھی بھی موقع ہے، اس وقت پورے ملک میں انتخابی مہم کی لہر دوڑ رہی

ہے، ہر فرد ووٹ ڈالنے کو نہ صرف قومی فریضہ سمجھے؛ بلکہ ایک شرعی اور ملّی فریضہ بھی سمجھے۔

رائے دہی کے دن ووٹ ڈالنے میں بھی بڑی کوتاہی کی جارہی ہے، انتخابات کے سلسلہ میں اہل ثروت کا ایک طبقہ ووٹ ڈالنے کو بھی شجر ممنوعہ سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ ووٹ کا استعمال ایک سیاسی مسئلہ ہے، سیاست کا شریعت سے کوئی جوڑ نظر نہیں آتا، امت مسلمہ کا ایک طبقہ اپنے عیش وعشرت میں ایسا مگن ہوتا ہے کہ ان کو رائے دہی کے دن گھر سے باہر نکلنے کی فرصت ہی نہیں ملتی، کوئی طبقہ یہ بھی خیال کرتا ہے کہ موجودہ دور کی سیاست ایک گندی سیادت ہے، اس میں دامن کو کیوں ناپاک کریں، اس لیے اس سے گریز کرتا ہے، بعض کا یہ خیال ہے کہ انتخابی امیدواروں میں ظالم بھی ہیں، کافر ومشرک بھی ہیں، دونوں شرع کی نظر میں مجرم ہیں، ہم مجرموں کا کیوں انتخاب کریں، یہ سب ابلیسی اور شیطانی وساوس ہیں، اس خام خیالی کے خول سے باہر نکلنے کی ضرورت ہے۔(۱)

لاپرواہی نہ کریں؛ ورنہ انجام بہت برا ہوگا

حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

ہماری اور آپ کی لا پرواہی اگر جاری رہی تو 2024ء کے الیکشن کے بعد آر ایس ایس کا بلڈوزر سو فیصد تمام مساجد پر چلے گا، مدرسوں پر چلے گا، ہمارے گھروں مکانوں پر چلے گا اور وہ سب ہوگا جس کے بارے میں ہم سوچ نہیں سکتے، حضور اکرم کا طریقہ اپنائیں اور دعا کرنے سے پہلے تدابیر اختیار کیجیے اپنی مسجد سے مندرجہ ذیل کام کیجیے :

۱۔محلہ کمیٹی بنائیں، صدر، سکریٹری، خزانچی کے علاوہ پانچ کارکن نوجوان کمیٹی میں شامل کریں۔

۲۔مسجد کے اطراف ہر گھر کا سروے کرائیں ۱۸/ سال سے زیادہ عمر والوں میں کس کس کا ووٹر کارڈ نیا بننا ہے یا ٹھیک ہونا ہے رجسٹر میں نوٹ کریں۔

۳۔باہر سے آنے والے نئے پڑوسیوں کا ووٹر کارڈ ٹرانسفر کرانے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں۔

۴۔جب سروے مکمل ہو جائے تو نزدیکی جن سیوا کیندر کی خدمات حاصل کریں، غریب مستحق کا کارڈ بنانے کے لئے فیس کی ادائیگی مسجد کمیٹی فنڈ سے یا بیت المال بنا کر ادا کریں۔

۵۔ووٹر کارڈ دس دن کے اندر بنکر ڈاک سے یا بی۔ ایل۔ او کے ذریعے آئیگا، ڈاکیے اور بی۔ ایل۔ او کی تفصیلات رکھیں اور رابطے میں رہیں۔

---

(۱) ووٹ اور انتخابات، اہمیت وضرورت، مقدمہ: ۱۳

۶۔الیکشن سے تین مہینے پہلے سرکار ووٹر لسٹ جاری کرتی ہے، وقتاً فوقتاً الیکشن کمیشن کی ویب سائٹ http://voters.eci.gov.in پر اپنا نام لسٹ میں دیکھنے کے لیے چیک کرتے رہیں۔

پھر ظلم کی شکایت نہ کرنا

جو لوگ بروقت ووٹ کا استعمال کرنا نہیں چاہتے اور پانچ سال تک سرکار پر روتے رہتے ہیں، ایسے لوگوں کو سننا چاہئے، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں : یوں بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر شریف، دیندار اور معتدل مزاج کے لوگ انتخابات کے تمام معاملات سے یکسو ہو کر بیٹھ جائیں تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ یہ پورا میدان شریروں، فتنہ پردازوں اور بے دین افراد کے ہاتھوں میں سونپ رہے ہیں، ایسی صورت حال میں کبھی بھی توقع نہیں کی جا سکتی ہے کہ حکومت نیک اور اہلیت رکھنے والے افراد کے ہاتھ میں آئے؛ اگر دیندار لوگ سیاست سے اتنے بے تعلق ہو کر رہ جائیں تو پھر انہیں ملک کی بے دینی اور اخلاقی تباہی کا شکوہ کرنے کا بھی حق نہیں پہونچتا؛ کیوں کہ اس کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے اور ان کے حکام کا سارا عذاب وثواب ان ہی کی گردن پر ہوگا اور خود ان کی آنے والی نسلیں اس شر و فساد سے کسی طرح بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گی، جس پر بند باندھنے کی انہوں نے کوئی کوشش نہیں کی۔(۱)

کیا ہم سے اتنا بھی نہیں ہوسکتا؟

عوام وخواص، دینی تقاضوں پر عمل کرنے والے، اونچے عہدوں پر فائز ہر شخص کسی نہ کسی بہانے سے ووٹنگ سے متعلق بدگمان و بے پرواہ ہیں، کسی نے اس کو جمہوری رسم سمجھ لیا، کسی نے لیڈروں کی قسمت آزمائی سمجھا، کوئی پوری سیاست کو غلاظت سمجھتا ہے۔حکمرانوں کی گندی سیاست کی وجہ سے غریب ووٹ سے بے زار ہے، مالداروں کو گھر سے نکل کر پولنگ بوتھ تک جانا دشوار ہے، ووٹ ڈالنے کے لئے لائن میں کھڑے ہونا ،وقت کا ضیاع ہے، نام نہاد دینداروں کے پاس اپنے دینی تقاضے اور خدمات سے فرصت نہیں ہے کہ پانچ سال میں ایک بار ووٹ کا واجب حق ادا کرسکیں، ہماری مثال ایسی ہوگئی جیسے ایک دودھ بیچنے والا دودھ میں پانی ملا کر بچا ہوا پانی بیٹھ کر پینے لگا، کسی نے وجہ پوچھی تو جواب دیا: بیٹھ کر پانی پینا سنت ہے" ادھر حرام کر کے سنت زندہ کرنے کی فکر ہے۔سچ یہ ہے کہ شریفوں کی شرافت اور عقلمند انسانوں کی انسانیت نے ہی سیاست میں شریر، ظالم، شرپسند، ملک فروشوں کو آباد کیا ہے۔

---

(۱) فقہی مقالات ۲ :/ ۲۹۰

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں : آج جو خرابیاں انتخابات میں پیش آرہی ہیں، ان کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عموماً نیک صالح حضرات ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے، جس کا لازمی نتیجہ وہ ہوا، جو مشاہدہ میں آرہا ہے کہ ووٹ عموماً ان لوگوں کے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لیے جاتے ہیں اور ایسے لوگوں کے ووٹوں سے جو نمائندے پوری قوم پر مسلط ہوتے ہیں، وہ ظاہر ہے کہ کس قماش وکس کردار کے ہوں گے۔ (۱)

(۱) نفائس الفقہ ۵ :/ ۳۰۶

فصلِ دوّم

موجودہ الیکشن اور سیاسی احوال

ووٹ کی خاطر جھوٹے وعدے اور گھناؤنے طریقے

سیاسی جماعتیں سنہرے خواب اور سبز باغ دکھانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہی ہیں، وعدوں کی بہتات بھی ہے اور اپنی خدمات کے بارے میں ادّعات اور دعووں کی فراوانی بھی، جبکہ ہندوستان کے بعض علاقے آج بھی روشنی سے محروم ہیں، ہزاروں دیہات اور قریہ جات کا سڑکوں سے رابطہ نہیں، بے روزگاری میں روز افزوں اضافہ ہے، جرائم کی کثرت ہے، ملک کے بڑے بڑے قائدین اور سیاسی رہنماؤں کے بارے میں رشوتوں اور جرائم کے اسکامس بارش کی طرح منظر عام پر آئے ہیں اور آتے جارہے ہیں، اور کیوں نہ ہو کہ پارلیمنٹ میں بھی اور مختلف ریاستوں کی اسمبلیوں میں بھی پولیس کے نامزد مجرم بڑی تعداد میں موجود ہیں، ایسے لوگوں سے اس کے سوا اور کیا توقع رکھی جاسکتی ہے؟ لیکن جب کسی چیز کی کثرت ہوجاتی ہے تو آہستہ آہستہ دل و دماغ اسے قبول کرنے لگتا ہے، اور اس کی شناعت کا احساس سرے سے ختم ہی ہوتا جاتا ہے، یہی کیفیت اس وقت جرائم پیشہ سیاست دانوں کے سلسلہ میں پیدا ہوچکی ہے۔

اپنی کمزوریوں پر پردہ رکھنے اور لوگوں کی بھیڑ جمع کرنے کے لئے آج کل ایک نیا سلسلہ سیاست کے افق پر فلمی ستاروں کی بارات سجانے کا شروع ہوا ہے اور قومی علاقائی جماعتیں ایک سے ایک فلمی اداکار اور اداکارہ کو اپنے اسٹیج پر لارہی ہیں؛ تاکہ عوام کو بہتر تماشہ دکھاسکیں اور نوجوانوں کا شوقِ دید بھی پورا ہو، یہ یقینا سیاسی قیادت کی سطحیت اور گراوٹ کی بات ہے اور اس انحطاط پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے، اگر آئندہ سیاسی جلسوں میں رقاصاؤں سے رقص کرایا جائے اور گلو کاروں سے گیت سنوائی جائے تو تعجب نہ کرنا چاہئے؛ کیوں کہ جب مقصود سادہ لوح عوام کو بیوقوف بنانا ہے اور کسی نہ کسی طرح عوام کی بھیڑ اکٹھا کرنا ہے، تو پھر کھیل تماشہ کے ماہرین کا کوئی بھی گروہ سیاست کی بساط پر اتر سکتا ہے اور اپنے کرشموں سے ایک ازدحام جمع کرسکتا ہے۔

روزنامہ 'ہندوستان ٹائمز کی مدیر سنیتا ایرن کہتی ہیں کہ 'اگر مودی کل مسلمانوں کے لیے پالیسیز لے کر آئیں، مسلم یوتھ کی ایجوکیشن کے لیے، ان کی ملازمت کے لیے انہیں آگے بڑھانے کے لیے اگر پروگرام لائیں تو مسلمانوں کا بہت بڑا طبقہ ان کی حمایت میں آگے آئے گا۔'' کیا مسلمان ابھی بھی جھوٹے وعدوں پر بھروسہ کرے گا؟

ملک ہندو راشٹر بننے کے قریب ہے

فرقہ پرست طاقتیں ہندوراشٹر کی منزل کی کس قدر قریب ہیں اس کا اندازہ اس تجزیہ سے لگایا جاسکتا ہے جوملک کے ایک نامورندوی فاضل مولانا خالد بیگ نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں کیا ہے،موصوف لکھتے ہیں: ’’ملک کے موجودہ دستوراورقانون کے مطابق اس ملک کو ہندو راشٹر بنانا اتنا آسان نہیں ہے؛ لیکن ہمارے دستورکے آرٹیکل نمبر :368 کے مطابق اگراس دستورکو بدل کرملک کو ہندوراشٹر بنانا ہوتواس کی چار شرطیں ہیں:

(۱)’’ہندوراشٹر کے قانون کو بل کی صورت میں لوک سبھا میں پیش کرنا ہوگا،اگرلوک سبھا کے کل (543)ارکان میں سے دوتہائی یعنی 362۔ایم۔پی۔اگربل کو پاس کردیں تو ہندوراشٹر کابل’’لوک سبھا‘‘ میں پاس ہوجائے گا،اس وقت لوک سبھا میں بی جے پی کے(334)ایم۔پی۔موجود ہیں،اگراس وقت ہندوراشٹر کے بل کولوک سبھا میں پیش کیاجائےتو آسانی سے پاس جاسکتا ہے۔

(۲)دوسری شرط یہ ہے کہ لوک سبھا کے بعد ہندوراشٹر کے بل کو راجیہ سبھا میں پیش کرنا ہوگا،راجیہ سبھا کے کل245ایم۔پیز۔میں سے دوتہائی یعنی 164ایم۔پیوں۔نے اگراس بل کوپاس کردیا تو ہندوراشٹر کا بل پاس ہوجائے گا؛لیکن اس وقت راجیہ سبھا میں بی جے پی کے کل 84ایم پی ہیں،جس کی وجہ سے راجیہ سبھا میں ہندو راشٹر کا بل پیش نہیں ہوسکتا؛لیکن خدانہ کریں ۲۰۲۴ء میں راجیہ سبھا میں بی جے پی کے دوتہائی ایم پی مکمل ہوجائیں گےتو یہ مشکل بھی حل ہوجائے گی۔

(۳) تیسری شرط یہ کہ لوک سبھااورراجیہ سبھا کے بعد ہندوستان کی کل ۲۹/اسمبلیوں میں سےکم ازکم ۱۵/اسمبلیوں میں اس بل کو پاس کرنا پڑے گا،اس وقت ۱۵ ریاستوں میں بی جے پی کی حکومت موجود ہے، لہٰذا ہندوراشٹر لانے کے لیے اس شرط کو پورا کرنا بھی بہت آسان ہے۔

(۴)چوتھی شرط یہ کہ آخر میں اس بل کو صدرہند کے سامنے پیش کیاجائے گا،اگرصدرہند نے بھی اس بل کو پاس کردیااوراس پر دستخط کردئےتو ہندوراشٹر کابل پاس ہوجائے گا،اس وقت صدرہند بھی انہیں کا ہے، اگر ۲۰۲۴ء کے انتخابات میں خدانخواستہ یہ ظالم طاقتیں دوبارہ جیت گئیں اورانہوں نے مرکز میں پھر سے حکومت بنالی تو راجیہ سبھا میں بھی ان کے دوتہائی ایم پی آجائیں گے، پھراس ملک کو ہندو راشٹر بنانے سے انہیں کوئی روک نہیں سکتا‘‘۔

اگرملک خدانخواستہ ہندوراشٹر بن گیا تو یہاں مسلمانوں کاوہی حشر ہوگا جوحشر برما میں دیکھا گیاہے، پھرنہ ملک میں الیکشن ہوگااورنہ ہی کوئی سیاست میں قدم رکھ سکے گا،ایسے میں نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ ملک کی ساری سیکولرعوام کو آنے والے انتخابات میں انتہائی دوراندیشی اورغیرمعمولی دانشمندی کا مظاہرہ کرنا ہوگا،مسلمانوں

کے لیے حالیہ انتخابات کی نزاکت اس لیے بھی ہے کہ ان کی جان کے ساتھ ایمان بھی خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہے، پچھلے چار برسوں میں شریعت ومسلم پرسنل لاء کے حوالہ سے کیا کچھ کیا گیااس کے بیان کی ضرورت نہیں ہے، ملت اِسلامیہ کو ان انتخابات میں بڑی بیدار مغزی کا مظاہرہ کرنا ہوگا،تھوڑی سی غفلت اور معمولی کوتاہی بھی بڑے خسارے کاباعث ہوسکتی ہے۔"(۱)

لوک سبھامیں مسلمان قائدین کی تعداد

۲۴/مئی ۲۰۱۹ء میں انڈیا کے پارلیمانی انتخابات میں ہندونظریات کی حامل بھارتیہ جنتا پارٹی نے دوبارہ کامیابی حاصل کی،اس الیکشن میں مسلمان نمائندوں کی کارکردگی بھی ماضی کے مقابلے میں مایوس کن رہی۔خود بی جے پی نے جن چھ مسلمانوں کو اپنا امیدوار بنایا تھا ان میں سے ایک بھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ 543 کے ایوان میں اب تک صرف ۲۷/سے ۴۸ مسلمان ارکان ہی جگہ بنا پائے ہیں اور یہ تعداد گزشتہ پارلیمان کے مسلم ارکان کے مقابلے میں بھی کم ہے جبکہ آبادی کے لحاظ سے ۱۱۹ اراکین مسلمان ہونے چاہئے تھے۔

مغربی بنگال کی ریاست سے گزشتہ ۲۰۱۴ء میں پارلیمان میں آٹھ مسلمان ارکان منتخب ہوکر آئے تھے مگر ۲۰۱۹ء میں ۵۰/فیصد کی کمی ہوئی ہے اور صرف چار مسلمان ہی اس ریاست سے لوک سبھا میں پہنچ پائے ہیں،ایسی ہی صورتحال بہار میں ہے جہاں چار کے مقابلے میں اس مرتبہ صرف دو مسلم امیدوار کامیاب ہو سکے ہیں۔آل انڈیا یونائٹیڈ ڈیموکریٹک فرنٹ کے سربراہ بدرالدین اجمل آسام سے خود تو کامیاب ہو گئے لیکن ان کی دوسری نشست اس بار ان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔نتیجہ یہ کہ آسام میں غیر قانونی شہریت کا مسئلہ بہت سنگین ہے اور مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی کو شہریت چھننے کا خطرہ ہے۔

ملک کی سب سے بڑی ریاست اتر پردیش میں گذشتہ پارلیمان میں یہاں سے مسلم نمائندگی صفر تھی لیکن حالیہ پارلیمان میں وہاں سے سب سے زیادہ چھ امیدوار منتخب ہوئے ہیں۔

انڈین پارلیمان کی تاریخ میں مسلم نمائندوں کی سب سے بڑی تعداد یعنی 49 نمائندے 1980ء کے انتخابات میں منتخب ہوئے تھے، جب ایمرجنسی کی ہزیمت کے بعد اندرا گاندھی کی قیادت میں کانگریس واضح اکثریت سے حکومت میں آئی تھی۔اس پارلیمان میں کانگریس کی جانب سے 30/ مسلم امیدوار کامیاب ہوئے تھے۔

---

(۱) بصیرت آن لائن،حضرت مولانا احمد ومیض ندوی نقشبندی صاحب دامت برکاتہم

نوٹ : مسلمان پہلے سے ہی پارلیمان میں اپنے مسائل پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں البتہ سیکولر جماعتیں مسلمانوں کے مسائل کو اٹھاتی تھیں لیکن اب ان کی اپنی ہی بقا کا مسئلہ ہے اس لیے اب کوئی پارٹی سیکولرازم کی بات بھی نہیں کرتی ۔ پہلے کانگریس، لالو پرشاد، ملائم سنگھ یادو یا مایاوتی وغیرہ مسلمانوں کے مسائل کو اپنے فائدے کے لیے اٹھاتے تھے گو کہ ان کے حل کی کم ہی کوشش کی جاتی تھی لیکن اب ایسا نہیں ہے اور مسلم امیدوار جو پارلیمان میں پہنچے ہیں وہ اپنی جماعت کی پالیسی کے تحت کام کریں گے نہ کہ مسلمانوں کے مسائل کو اٹھائیں گے، اس معاملے میں مجلس اتحاد المسلمین کو استثنٰی حاصل ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کی سیاست کرتی ہے اور ان کے مسائل پر بات کرتی ہے ۔

پارلمنٹ میں مسلم نمائندگی پانچ فیصد سے بھی کم

دوردرشن نیوز (سرکاری نیوز چینل) کی سابق ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل، سینئر صحافی اور مصنفہ پروفیسر نیلم مہاجن سنگھ کا کہنا ہے کہ بھارت کی پارلیمانی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے جب حکمراں جماعت میں کوئی مسلم ممبر نہیں ہے اور نہ ہی حکومت میں مسلمانوں کی کوئی نمائندگی ہے ۔ وائس آف امریکہ سے گفتگو میں اُن کا کہنا تھا کہ اس وقت بھارت میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً 30 کروڑ ہے اور پارلیمنٹ میں ان کی نمائندگی پانچ فی صد سے بھی کم ہے، یہ ایک خطرناک صورتِ حال ہے ۔

تقریباً 40 سال سے پارلیمانی اجلاس کی کوریج کرنے والے سینئر صحافی اور تجزیہ کار معصوم مرادآبادی کہتے ہیں کہ کابینہ میں مسلم وزیر کی موجودگی پارلیمانی تاریخ کا حصہ رہی ہے اور یہ ایک روایت بھی رہی ہے ۔ لیکن موجودہ حکومت نے اس روایت کو توڑ دیا ۔

پہلے بی جے پی مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھی اور اسی لیے وہ کچھ مسلمانوں کو ٹکٹ بھی دیتی اور انہیں کابینہ میں وزیر بھی بناتی تھی ۔ لیکن موجودہ بی جے پی کو مسلمانوں کے ووٹ کی ضرورت نہیں ہے ۔ وہ ان کے ووٹ کے بغیر بھی زبردست کامیابی حاصل کر رہی ہے ۔ اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ بی جے پی میں مسلمانوں کی موجودگی علامتی رہی ہے ۔ ان کو بااختیار بنانے کی خواہش کبھی بھی بی جے پی کی نہیں رہی ۔ جیسے مختار عباس نقوی بی جے پی کے شو بوائے رہے ۔(۱)

اور سن 1947ء میں آزادی ملنے کے بعد یہ پہلا موقع ہے جب بھارت کی حکمراں جماعت کی طرف سے پارلیمان میں نہ تو مسلم نمائندگی رہ گئی اور نہ ہی مرکزی وزارت میں کوئی مسلم وزیر ۔ حالانکہ نقوی کو مودی

(۱) بحوالہ: جنوبی ایشیاء، جولائی 2022 ,07 سہیل انجم

حکومت میں ایک ''مسلم چہرے'' سے زیادہ اہمیت حاصل نہیں تھی۔بھارتی پارلیمان کے دونوں ایوانوں میں حکمراں بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کے اراکین کی تعداد تقریباً 400 اور مودی کابینہ میں وزیروں کی تعداد 80 کے قریب ہے۔ 64 سالہ نقوی اس میں واحد مسلم رکن تھے۔انہوں نے ایک ہندو خاتون سے شادی کر رکھی ہے۔

مسلمان سیاست سے کیسے کنارہ کش ہوتے گئے؟

۱۔ تجزیہ کار وریندر ناتھ بھٹ کہتے ہیں : سیاسی جماعتوں نے شعوری طور پر مسلمانوں کو مذہبی سوالوں میں الجھائے رکھا ہے۔کبھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کریکٹر، کبھی شاہ بانو کیس، کبھی تین طلاق تو کبھی اردو کو سیکنڈ زبان کا درجہ دینے کی باتیں۔ چالیس برس سے سیاسی جماعتیں مسلمانوں کو انہیں سوالوں میں الجھائے ہوئے ہیں۔مسلمانوں کو ایک مذہبی فریم میں قید کر کے رکھ دیا گیا ہے۔

۲۔کانگریس، سماجوادی، بہوجن سماج پارٹی اور دوسری جماعتیں بی جے پی کا خوف دلا کر مسلمانوں کا ووٹ حاصل کرتی رہی ہیں۔گذشتہ 75 / برس سے مسلمانوں کے لیے انتخاب کا مطلب صرف بی جے کو اقتدار سے روکنا رہا ہے۔سیاسی جماعتوں نے خوف کی نفسیات کا فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو اصل قومی دھارے میں آنے سے ایک طویل عرصے تک روکے رکھا۔اتر پردیش کے چار کروڑ مسلمان ریاست کی 403 میں سے کم از کم سو نشستوں پر فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے ہیں لیکن سیاسی جماعتوں نے انتخابی سیاست میں ان کا کردار محدود کر دیا ہے۔ بی جے پی نے چار کروڑ مسلمانوں میں سے ایک کو بھی اتر پردیش میں اپنا امیدوار نہیں بنایا ہے، اتر پردیش جیسی ریاست میں جہاں ملک کے ۲۰ / فی صد مسلم آباد ہیں وہاں ایک بھی مسلمان کو اپنا امیدوار نہ بنانا اس بات کا عکاس ہے کہ بی جے پی بھی اسی ڈگر پر ہے جس پر کچھ عرصے پہلے تک مسلمان چل رہے تھے۔وہ یہ بتانا چاہتی ہے کہ اگر مسلمان اسے ووٹ نہیں دیتے، نہ دیں، اسے بھی مسلمانوں کا ووٹ نہیں چاہیے۔جب کہ ہندوستان میں تقریباً ۲۳ / کروڑ مسلم آباد ہیں۔

سینیئر صحافی شرت پردھان کہتے ہیں: بی جے پی کا ایک ہوا کھڑا کر کے کانگریس اقتدار میں آتی رہی۔یہ دور تب تک خوب چلا جب تک بی جے پی اقتدار میں نہیں آئی تھی۔سبھی جماعتوں نے اس کا فائدہ اٹھایا۔ لیکن جب بی جے پی اقتدار میں آگئی تو ہر طرف کھلبلی مچ گئی؛ اب ریاست کے مسلمان نئے اعتماد کے ساتھ الیکشن میں حصہ لیتے ہیں اور اب وہ کسی کا ووٹ بینک نہیں ہیں۔

موجودہ الیکشن مسلمان اور کافر کا فیصلہ کن ہے

یاد رکھئے اس بار 2024ء کا الیکشن ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل کے لئے فیصلہ کن ثابت ہونے والا ہے، اگر موجودہ حکومت پھر سے حکومت میں آگئی تو اسکا منصوبہ ہندوستان کے دستور کو ختم کرنا ہے، جسکے بعد ۲۳/کروڑ مسلمانوں کی حیثیت دوسرے درجہ کی کردی جائیگی اسکے بعد رفتہ رفتہ یہاں کے مسلمانوں کا حال کیا ہوگا اللہ خیر کرے، ایسی صورت حال میں ہندوستانی مسلمانوں کی بقاء کے صرف دو راستے ہونگے یا تو ہندو مذہب قبول کرلو یا پھر رفیوجی بن کر کسی اور ملک کو فرار ہوجاؤ، یہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑرہا ہے کہ ہم مسلمان آج بھی غفلت میں جی رہے ہیں حتیٰ کہ ہمارے مذہبی رہنماء بھی کما حقہ اس تعلق سے لوگوں میں شعور پیدا کرنے سے قاصر ہیں، اس الیکشن میں ہمارا اتحاد ہی دشمن کی مکاریوں کو ناکام کرسکتا ہے، اس بار آپ کا ووٹ محض ایک ووٹ نہیں بلکہ آپکی اور آپکے گھر والوں کی زندگی بچانے کا ٹکٹ ہے.. آپکو بس ایک دو تین نکاتی لائحہ عمل پر کام کرنا ہے.. ایک نکتہ آپکے عمل کا ہے اور دوسرا دعاء کا......(۱)

اس لئے خوب سمجھ لیں بقول حضرت مولانا احمد ومیض صاحب دامت برکاتہم: ”یہ انتخابات ملک کا مستقبل طے کرنے والے ہیں کہ آنے والے برسوں میں ہمارا ملک سیکولر اسٹیٹ رہے گا یا ہندو راشٹر بن جائے گا، آیا یہ گاندھی اور نہرو کا ملک رہے گا یا موسولینی اور ہٹلر کا دیش بن جائے گا، نیز اس ملک کا سیکولر آئین محفوظ و برقرار رہے گا یا اسے ٹھکانے لگا دیا جائے گا، ویسے ملک کے تمام باشندوں کے لیے حالیہ انتخابات انتہائی اہمیت کے حامل ہیں؛ لیکن مسلم اقلیت کے لیے ان کی حساسیت اور نزاکت دو چند ہوجاتی ہے“ یہ الیکشن جمہوریت بنام فسطائیت کے بیچ کا چناؤ ہے، تنوع بنام جبری یکسانیت کے بیچ کا چناؤ ہے؛ انسانی اقدار، بنیادی حقوق، پس ماندہ، کمزور اور گنتی میں کم لوگوں پر اکثریت کے جبری تسلط کے خلاف چناؤ ہے؛ مختصر یہ کہ یہ تصور ہند یعنی دستور میں مندرج جو Idea of India ہے اس کے تحفظ کا چناؤ ہے۔

موجودہ الیکشن تاریخ کا فیصلہ کن الیکشن ہے

مسلمانوں کے لئے موجودہ الیکشن بہت ہی نازک حالات لے کر آیا ہے، فرقہ پرستی اور فاشزم بامِ اقتدار پر چڑھ چکی ہے اور سر توڑ کوشش کررہی ہے کہ اپنے تختِ اقتدار کو مضبوط سے مضبوط تر کرلے، پوری طرح قوت فیصلہ حاصل کرلے اور اپنے اقتدار کو طویل سے طویل تر کرلے، بہت سی وہ جماعتیں جو سیکولرزم کا

(۱) بصیرت آن لائن، مولانا محمد قمر الزماں صاحب ندوی، بتغیر یسیر

نقاب اب تک اوڑھے ہوئی ہیں اور جن کا سیکولرزم حکومت کے فرقہ پرستانہ ایجنڈے کے خلاف مزاحمت کی تحریک بھی پیدا نہیں کر پا رہا ہے، اقتدار کی حرص وہوس نے ان کو اپنے نظریاتی دشمنوں کے ساتھ ایک کشتی کا سوار بنا دیا ہے، بلکہ وہ فرقہ پرست طاقتوں کو اپنا ناخدا تسلیم کر چکے ہیں، دوسری طرف وہ جماعتیں ہیں، جو اپنے آپ کو جمہوریت کا نمائندہ قرار دیتی ہیں، لیکن ان کا ماضی کچھ کم داغ دار نہیں، ان کا حال یہ ہے کہ جماعتی سیاست ان کو ان نظریاتی مقاصد سے زیادہ عزیز ہے، جس کا وہ اپنی زبان سے اور اپنے منشور میں اظہار کرتے ہیں، یہ امنگ اور حوصلہ سے عاری ہیں، ان کی مثال ایسی فوج کی ہے جو نیم دلی کے ساتھ کسی فوج کے مقابلہ کے لئے لے جائی جاتی ہے، نہ اس کے دوست متعین ہیں اور نہ دشمن، یہ دوطرفہ آگ ہے، جس کی حرارت انگیزی میں کم وبیش کا فرق تو ہوسکتا ہے، لیکن کوئی اساسی اور بنیادی فرق ان کے طرزِ عمل میں نہیں ہے، اسی لئے بعض حضرات نے اس صورتِ حال کو ''نرم ہندوتوا'' بہ مقابلہ ''سخت ہندوتوا'' کا نام دیا ہے، انتخاب کی راہیں محدود ہیں اور کوئی ایسی قوت موجود نہیں، جس کے بارے میں یہ توقع کی جاسکے کہ وہ ملک کے اقتدار کی باگ اپنے ہاتھ میں لے سکے گی۔

ووٹنگ اور الیکشن سے کنارہ کشی جرمِ عظیم ہے

آخر مسلمان ان حالات میں کیا کریں؟ ایسا بھی نہیں ہوسکتا کہ ہم الیکشن سے اپنے آپ کو الگ کرلیں، یہ بڑی عاقبت نااندیشی کی بات ہوگی اور جو تھوڑے بہت لوگ الیکشن کے وقت مسلمانوں کے آنسو پونچھنے اور کچھ جھوٹے سچے وعدے کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بھی ختم ہوجائیں گے، پھر مسلمان اس ملک میں ایک ذلیل ومقہور گروہ رہ جائیں گے؛ سنگھ پریوار اور وی، ایچ، پی جس کے منصوبوں میں پہلے سے یہ بات داخل ہے کہ اقلیتوں کو ووٹ کے حق سے محروم کر دیا جائے، یہ عملاً ان کے منصوبہ کو کامیاب کرنے کے مترادف ہوگا، اس لئے الیکشن میں حصہ لینا ایک بہت بڑی ضرورت ہے، اور ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ووٹ کا حق ضرور ہی استعمال کرے اور یہ بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مسلمانوں کے ووٹ کو متحد کرنے کی کوشش کریں، ہمارے بکھرے ہوئے ووٹ کی سیاست کے ترازو میں کوئی قیمت نہیں ہوگی، ہمارے متحد ووٹ سے ہی ہم ملک کی سیاست میں اپنا وزن قائم کرسکتے ہیں۔

حکمتِ عملی سے بادشاہ نہیں تو بادشاہ گر ضرور بن سکتے ہیں

لوک سبھا کی ۵۴۵ سیٹیں ہیں، جن میں سے ۲۰ سیٹیں پارلیمنٹ پُر کرتی ہے، اگر مسلمانوں کی آبادی

بیس کڑورمانی جائےتو ۵۴۵ میں سے ۱۱۹ سیٹیں مسلمان کی ہونی چاہئیں جب کہ اب تک مسلمان ممبروں کی تعداد چوبیس سے اڑتالیس تک رہی ہے، اور وہ بھی مسلمانوں کے نمائندے کم اور جس سیاسی جماعت کے واسطے سے منتخب ہوئے ہیں، ان کے نمائندہ زیادہ رہے ہیں، جنوبی ریاستیں آندھرا، تمل ناڈ، کرناٹک اور کیرالہ کی ۱۲۹ سیٹوں میں سے ۶۰ سیٹوں میں مسلمان ووٹرس کی تعداد ۲۰ فیصد سے زیادہ ہے، ملک کے چودہ اضلاع میں مسلمان ووٹرس کا تناسب ۳۳ فیصد سے زیادہ ہے، یوپی میں مسلمان ووٹرس کا تناسب ۹۳ء ۱۵ فیصد اور بہار میں ۱۳ء ۱۴ فیصد ہے، بہار کے ضلع پورنیہ میں مسلم آبادی ۵۴ء ۱۴، کٹیہار میں ۱۰ء ۳۶ اور دربھنگہ شہر میں ۵۴ فیصد ہے، یوپی کے ضلع رام پور میں ۱۲ء ۴۷، بجنور میں ۴۵ء ۳۹، مراد آباد میں ۶۰ء ۳۸، سہارنپور میں ۵۶ء ۳۱، مظفرنگر میں ۳۷ء ۲۵ اور بہرائچ میں ۲۵ فیصد ہے، لیکن افسوس کہ ان میں سے بہت سے مقامات وہ ہیں، جہاں مسلم ووٹ کے بکھراؤ کی وجہ سے فرقہ پرست جماعتیں الیکشن جیت جاتی ہیں، کم وبیش پارلیمنٹ کے ۴۷ حلقوں میں مسلم ووٹرس کا تناسب ۲۰ فیصد سے زیادہ ہے، اگر ان پارٹیوں اور پارٹی کے امیدواروں کے ووٹ کا تناسب دیکھا جائے جو فتح یاب ہوتی رہی ہیں، تو صاف اندازہ ہوگا کہ اگر مسلمان دانشمندی سے کام لیں اور متحدہ طور پر کسی پارٹی کے حق میں ووٹنگ کریں، تو وہ زیادہ تعداد میں مسلمان یا مسلمان دوست اُمیدواروں کو کامیاب کر سکتے ہیں اور اگر بادشاہ کا نہیں، تو کم ازکم بادشاہ گر کا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ملک میں مسلم ووٹرس کی تعداد

اتر پردیش میں مسلم ووٹ تقریباً 19 فیصد ہے، جو اگر متحد ہوکر کسی معتبر امیدوار اور غیر فرقہ پرست جماعت کو مل جائے تو پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ جائے گی اور وہ اپنی قوم کے حق اور ناحق کی بات بہ آواز بلند اٹھاسکیں گے۔ مسلم ووٹوں کی تعداد تقریباً 3 کروڑ 80 لاکھ ہے، جن میں 2 کروڑ مرد اور ایک کروڑ 80 لاکھ خواتین ہیں۔ 2011 کی مردم شماری کے مطابق ملک کی آبادی میں مسلمان 14 فیصد ہیں، جب کہ اتر پردیش میں 19 فیصد ہیں۔ سب سے زیادہ مسلم آبادی بھی یوپی میں ہی ہے۔ یوپی میں رامپور 50.57: فیصد، مرادآباد 47.12: فیصد، بجنور :43 فیصد، سہارنپور :42 فیصد، مظفرنگر :42 فیصد، امروہہ :40 فیصد، بلرامپور :37 فیصد ہے۔ اسی طرح میرٹھ، بہرائچ، شراوستی، سدھارتھ نگر، باغپت، غازی آباد، پیلی بھیت، سنت کبیر نگر، بارہ بنکی، بلندشہر، بدایوں، لکھنؤ اور کھیری میں مسلم آبادی 20 فیصد سے متجاوز ہے۔ ان اضلاع میں 6، 7، 8 اور 9 تک پارلیمانی نشستیں ہیں۔ ان نشستوں پر ملی قیادت کو فوراً توجہ

دینے کی ضرورت ہے، اگر ان پر خصوصی توجہ دی گئی اور ضرور دی جانی چاہیے تو ممبران پارلیمنٹ کی تعداد موجودہ گھٹتی ہوئی تعداد سے یقیناً متجاوز ہوگی۔(۱)

کیا فی الفور ملکی پیمانہ پر مسلم سیاسی پارٹی کا امکان ہے؟

ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی الگ سیاسی جماعت قائم کرنی چاہئے، جس کا رجحان بڑھ رہا ہے، یا دوسری سیاسی جماعتوں میں شرکت کو ترجیح دینی چاہئے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں ہر جگہ ایک ہی طریقہ کار کو اختیار نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ مختلف علاقوں کے حالات کے اعتبار سے الگ الگ طریقے مفید ہو سکتے ہیں، مسلم جماعتوں کے قیام میں یہ فائدہ ضرور ہے کہ وہ قانون ساز اداروں میں کسی تحفظ کے بغیر مسلمانوں کی بات پہنچا سکتے ہیں، ہندوستان کی بعض ریاستوں میں اس کا بڑا فائدہ محسوس کیا گیا ہے، خاص کر جنوبی ہند اور مشرقی ہند کے بعض اور علاقوں میں بھی مسلمانوں کی ایسی سیاسی تنظیمیں فائدہ مند ثابت ہوئی ہیں؛ لیکن یہ ایسی جگہ پر ہی ممکن ہے، جہاں مسلم آبادی مرتکز ہو، جہاں مسلم آبادی مرتکز نہ ہو، وہاں مسلمانوں کی اپنی پارٹیوں کا قیام فائدہ مند کے بجائے نقصاندہ ثابت ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ اگر آپ کے ایک دو ممبر منتخب بھی ہو گئے؛ لیکن دوسری پارٹیوں نے یہ محسوس کرلیا کہ مسلمانوں کا ووٹ انہیں نہیں ملا تو آپ ان پر کوئی پریشر قائم نہیں کر سکتے اور صرف ایک دو ممبر کے ذریعہ آپ کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوسکتا، ایسی جگہوں میں یہ بات زیادہ مفید ہوتی ہے کہ اپنی علاحدہ پارٹی قائم نہ کی جائے؛ لیکن اپنے مطالبات کا ایجنڈہ مرتب کیا جائے، اور اس کو ان پارٹیوں کے سامنے پیش کیا جائے جو اپنے آپ کو سیکولر کہتی ہیں اور پھر ایسی پارٹی کے حق میں متحد ہو کر کوشش کی جائے، جو مسلم ایجنڈہ کو قبول کرے، رسول اللہ ﷺ نے بہت سے کام غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ مل کر اشتراک کے ساتھ کئے ہیں، آپ نے ظلم و ناانصافی اور لاقانونیت کو دُور کرنے کے لئے 'حلف الفضول' میں شرکت فرمائی ہے، اگرچہ یہ واقعہ، نبوت سے پہلے کا ہے؛ لیکن نبی بنائے جانے کے بعد بھی آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے اب بھی اس کی طرف دعوت دی جائے تو میں قبول کروں گا: ''لو دعيت إليه لأجبت''(۲)

اسی طرح ہجرت کے بعد آپ نے مدینہ منورہ میں ایک ایسی مملکت کی داغ بیل ڈالی، جس میں مسلمانوں کو اور یہودیوں کو یکساں طور پر مذہبی آزادی حاصل ہو اور دونوں یکساں طور پر دفاع کی ذمہ داریاں ادا کریں، جب تک خود یہودیوں کی طرف سے بدعہدی کے واقعات پیش نہیں آئے، یہ معاہدہ باقی

(۱) قندیل 9 مارچ 2019، ڈاکٹر منور حسن کمال

(۲) مسند البزار، حدیث نمبر: ۱۰۲۴

رہا، یہ ایک مثال ہے کہ رسول اللہ ﷺ ضرورت ومصلحت کے مطابق غیر مسلم قوموں کے ساتھ اشتراک اختیار فرمایا کرتے تھے، اس لئے جن سیاسی پارٹیوں کا ایجنڈہ کھلے طور پر اسلام اور مسلمانوں سے عداوت پر مبنی نہ ہو، ان پارٹیوں میں شرکت اور ایک باعزت معاہدہ کے تحت ان کے حق میں ووٹ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

جہاں مسلم پارٹیوں کا قیام اور ان کے اُمیدواروں کا کھڑا ہونا مسلمانوں کے لئے نقصان کا باعث ہو اور اس سے فرقہ پرست پارٹیوں کو تقویت پہنچتی ہو، وہاں مسلم پارٹیوں کا اُمیدوار کھڑا کرنا یقیناً ایک نادرست عمل ہی کہلائے گا، جیسے کہ اس وقت یوپی کے الیکشن میں تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ بہت سی سیٹیں بھارتیہ جنتا پارٹی کو مسلمان پارٹیوں کی بدولت حاصل ہوئیں؛ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ مسلم اکثریت جگہوں سے فرقہ پرست ممبران منتخب ہوجاتے ہیں، یہ ایمانی فراست، سیاسی شعور اور ملی حمیت کے مغائر ہے!

قوتِ انتخاب کا امتحان

اگر انسان کو کوئی ایسی بات درپیش ہو جس میں صرف خیر ہو، برائی کا پہلو نہ ہو، اور اسے قبول کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہو تو اس وقت فیصلہ کرنا چنداں دشوار نہیں، ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص اسکو قبول کرے گا، اور اگر کوئی بات خالصتاً شر اور برائی کی ہو تو اس صورت میں بھی فیصلہ کرنا مشکل نہیں، ہر سمجھدار آدمی اس سے گریز اور اجتناب کا راستہ اختیار کرے گا؛ لیکن انسان کی قوت انتخاب کا امتحان اس وقت ہوتا ہے، جب اس کے سامنے دو اچھی چیزیں رکھی گئی ہوں، یہاں اس کو طے کرنا ہے کہ بہتر کون ہے اور بہترین کون ہے، کون خوب ہے اور کون خوب تر ہے؟ اس سے بھی مشکل مرحلہ ہے اس وقت درپیش ہوتا ہے، جب دو برائیاں انسان کے سامنے ہوں، اور بیک وقت ان دونوں سے نہیں بچا جاسکتا ہو، انسان ایک برائی کو قبول کرنے پر مجبور ہو، اس وقت انسان کی قوت فیصلہ، فہم وشعور، زمانہ آگہی، اور مصلحت شناسی کی اصل آزمائش ہوتی ہے۔

مختلف مصلحتیں اپنی طرف مائل کرتی ہیں اور انسان کے دل کا جھکاؤ کبھی ایک طرف ہوتا ہے، اور کبھی ایک طرف ہوتا ہے، اور کبھی دوسری طرف، معاشی ترقی کے اعتبار سے ایک صورت بہتر معلوم ہوتی ہے، اور جان ومال کی حفاظت کے نقطۂ نظر سے دوسری صورت قابل ترجیح محسوس ہوتی ہے، ایک راستہ اختیار کرنے میں وقتی مصالح کی بہتری نظر آتی ہے؛ لیکن مآل وانجام کے اعتبار سے اس سے غیر معمولی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے، اور دوسرے راستہ میں انجام کے اعتبار سے نسبتاً اُمید کی کرن نظر آتی ہے، ایسی صورت میں ترجیحات

قائم کرنا اور نفع ونقصان کی ترازو میں تول کر یہ بات متعین کرنی ضروری ہوتی ہے کہ کون سی صورت کم نقصان کی ہے؟ شریعت نے ہمیں غور وفکر کا یہی طریقہ سکھایا ہے۔

کمتر برائی کا انتخاب امثال ونتائج

☆ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب سے سوال کیا کہ علم کسے کہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا : شر کے مقابلہ میں خیر کو جاننا "معرفة الخير من الشر" حضرت عمرؓ نے فرمایا : یہ تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی، کیوں کہ ظاہر ہے کہ جب ایک طرف شر اور دوسری طرف خیر ہو تو خیر کا انتخاب کیا جائے گا اور شر کو چھوڑ دیا جائے گا، پھر فرمایا کہ علم نام ہے دو شر میں سے ایسی چیز کے جاننے کا جو نسبتاً بہتر ہو "معرفة خير الشرين" یہ نہایت اہم قاعدہ ہے، جو کتاب وسنت کے مختلف احکام سے ثابت ہے، برائی کو روکنا واجب ہے؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ طاقت سے روکنے پر قادر نہ ہو تو زبان سے ٹوکنے پر اکتفا کرے اور زبان سے ٹوکنا بھی دشوار ہو تو دل سے برا سمجھنے پر اکتفا کرے، اس کا مقصد یہی ہے کہ بعض دفعہ کسی برائی کو روکنے میں انتشار اور اختلاف کا اندیشہ رہتا ہے، تو مسلمانوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنے کے لئے ایسے موقع پر خاموشی اختیار کر لینا بہتر ہے۔

☆ حضرت ابو ذر غفاریؓ سے آپ انے دریافت کیا کہ میرے بعد تم ایسے حکمرانوں کو دیکھو گے جو تم سے اپنے حقوق کو وصول کریں گے، لیکن تمہارے حقوق ادا نہیں کریں گے، ایسی صورت میں تم کیا کرو گے؟ حضرت ابو ذر غفاریؓ نے جواب دیا کہ ہم انھیں نوکِ شمشیر سے سیدھا کر دیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : نہیں، بلکہ صبر سے کام لینا، تا آنکہ وہ بھی اللہ کے دربار میں آجائیں اور تم بھی۔

☆ حضرت عمار بن یاسرؓ کا کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا گیا، ان کے سامنے دو راستے تھے، ایک صورت یہ تھی کہ کلمہ کفر کہہ کر جان بچا لیتے، دوسری صورت یہ تھی کہ جان دے دیتے اور کلمہ کفر سے اپنی زبان کی حفاظت کرتے، انہوں نے اجتہاد سے کام لیا کہ اگر جان چلی جائے گی تو اگلے مرحلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت واعانت کرنے سے محروم ہو جائیں گے، اسلام کی دعوت واشاعت کا جو کام آئندہ کر سکتے ہیں، وہ نہیں کر پائیں گے، اور اگر کلمۂ کفر مجبوری کی حالت میں زبان سے نکال دیا تو چوں کہ ایمان کا اصل تعلق قلب سے ہے نہ کہ زبان سے؛ اس لئے ۔ انشاءاللہ ۔ پھر بھی دولت ایمان سے محروم نہیں ہوں گے؛ چنانچہ حضرت عمارؓ نے جان بچانے کو ترجیح دی؛ لیکن ان کا دل ایمان کے نور سے معمور تھا؛ اس لئے بے چین ہو گئے، روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اپنی درد بھری داستان سنائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا

کہ تمہارا دل تو ایمان پر مطمئن ہے؟ حضرت عمارؓ نے عرض کیا : بے شک آپ ﷺ نے فرمایا : پھر کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ اگر آئندہ بھی ایسی آمائش آئے تو زبان سے کلمہ کفر کہہ کر اپنی جان جان بچالو، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی : ''الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان''۔(۱)

آپ ﷺ کے اس ارشاد کا منشاء یہی ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنا حکمرانوں کی بے راہ روی سے زیادہ اہم ہے، اس لئے اسے متاثر نہ ہونے دیا جائے۔

☆اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''صلوا خلف کل برّ و فاجر'' (اچھے اور برے امام کے پیچھے نماز ادا کرلو) اس ارشاد کا منشاء بھی یہی ہے کہ آپ انے امام کو مقتدی کی نماز کا ضامن قرار دیا ہے، اس لئے امام کو بہتر سے بہتر ہونا چاہئے۔

☆ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہتر قرآن پڑھنے والے، سنت سے سب سے زیادہ واقف وآگاہ اور سب سے زیادہ ورع وتقویٰ رکھنے والے کو امام ہونا چاہئے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے فاجر کی اقتداء کو بھی جائز قرار دیا اور صحابہ کرامؓ نے حجاج بن یوسف جیسے لوگوں کی اقتداء میں بھی نماز ادا فرمائی، اس کا منشاء بھی وہی ہے کہ اُمت کو انتشار اور بکھراؤ سے بچایا جائے، کیوں کہ بعض دفعہ ایسے لوگ امامت پر فائز ہو جاتے ہیں جو کردار وعمل کے اعتبار سے مجروح ہوتے ہیں، لیکن اگر انھیں ہٹانے کی کوشش کی جائے تو فتنہ وانتشار کا اندیشہ رہتا ہے، ایسی صورت میں امت کو انتشار سے بچانا زیادہ اہم ہے۔

☆اگر کوئی شخص بھوک و پیاس کی وجہ سے ایسی صورت حال سے دو چار ہو کہ اگر کھائے اور پیئے نہیں تو اس کی جان چلی جائے، شریعت نے ایسے مضطرب ومجبور شخص کے لئے جان بچانے کی حد تک خنزیر جیسے حرام جانور یا مردار کا گوشت کھانے اور شراب پینے کی اجازت دی ہے، حرام شئے کا کھانا اور پینا ایک برائی اور دینی ضرر ہے، زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، جس کی حتی المقدور حفاظت کا حکم دیا گیا ہے، اس کو کھو دینا بھی ایک ضرر ہے، دنیوی اعتبار سے تو یہ ضرر ہے ہی، دینی اعتبار سے بھی یہ ضرر ہے، ایک انسان سے اس کے بوڑھے والدین، یتیم بھائیوں بہنوں، کسب معاش کی صلاحیت سے محروم بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچوں کا حق متعلق ہے، نیز وہ اللہ کی توفیق سے بہت سارے دینی خدمت بھی انجام دے سکتا ہے؛ لیکن اگر انسان زندگی سے محروم ہو جائے تو متعلقین کی ضروریات اور دین کی بہت ساری خدمات بظاہر پوری نہیں ہو پائیں گی؛ اس لئے اگرچہ دین کی اہمیت اس وقت ایک مسلمان کی جان ومال سے بڑھ جاتی ہے، جب جان

(۱) النحل:۱۰۶

ومال کی قربانی کے بغیر دین کا بچاؤ ممکن نہ ہو؛لیکن جب دین کا تحفظ اس پر موقوف نہ ہوتو عارضی طور پر بقدر ضرورت شریعت کے کسی عمومی حکم کے مقابلہ انسانی زندگی کی حفاظت کو ترجیح دی گئی ہے۔

☆اسلامی قانون کے ماہرین نے اسی بنیاد پر چند قواعد مقرر کیے ہیں، یہاں ان کا ذکر کرنا مناسب ہوگا : عمومی نقصان کو دور کرنے کے لئے خصوصی اور شخصی نقصان کو گوارہ کیا جائے گا۔

یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام"۔

جیسے کوئی جاہل شخص ڈاکٹری کا پیشہ اختیار کرلے تو اس سے اس کو روکا جائے گا، اگر تاجر گراں فروشی شروع کردے تو اشیاء کا نرخ متعین کیا جاسکتا ہے؛ تاکہ اس اجتماعی نقصان کو دور کیا جاسکے۔

☆جب دو برائیاں درپیش ہوں تو کمتر برائی کو گوارہ کرکے بڑی برائی کو روکا جائے گا۔

"**إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتکاب أخفهما**"۔

اس اُصول کو فقہاء نے مختلف الفاظ اور تعبیرات میں بیان کیا ہے، مثلا یہ کہ" دو شر میں سے کمتر کو اور دو ضرر میں سے ہلکے ضرر کو گوارہ کیا جائے گا" یا یہ کہ" جہاں دو نقصان درپیش ہوں تو کمتر نقصان کو گوارہ کرکے بڑے نقصان سے بچا جائے گا"۔

☆مصلحت اور منفعت کو حاصل کرنے سے زیادہ اہم مفاسد کو دور کرنا ہے۔"**درأ المفاسد أولی من جلب المصالح**"۔ یعنی اگر ایک طرف کسی فائدہ کا حصول ہو؛لیکن اس میں دوسرا پہلو نقصان کا ہو، تو نقصان کے دور کرنے کو ترجیح حاصل ہوگی۔

فِراستِ ایمانی سے کام لیں

غور کیجئے! فقہاء کے اجتہادات ان ہی اصولوں پر مبنی ہیں، اور ایک ایسے وقت میں جب کہ سیاست کے حمام میں تمام لوگ بے لباس ہیں اور مسلمان دو مقابل قوتوں کی ضرر رسانی اور تیشہ زنی کا تجربہ کر چکے ہیں ،ضروری ہے کہ وہ دانشمندی سے کام لیں اور زیادہ اور کمتر نقصان کا صحیح تجزیہ کرکے لائحۂ عمل بنائیں، کہ ان حالات میں ہماری ذمہ داری یہی ہے کہ فراست اِیمانی سے کام لیتے ہوئے دو ناگزیر برائیوں میں سے کمتر برائی کو گوارہ کریں۔

اب اس بات کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوگئی ہے کہ مسلمان شعور سے کام لیں تائید ومخالفت میں ترجیحات قائم کریں، مفید اور زیادہ مفید، اور اس سے بڑھ کر نقصان دہ کے درمیان خط امتیاز کھینچیں اور پوری فراست ایمان کے ساتھ الیکشن کے سلسلہ میں فیصلہ کریں، اگر اس وقت مسلمان سمجھداری سے کام نہیں لیں

گے تو ایسے نقصان کا اندیشہ ہے کہ شاید دُور تک اور دیر تک اس کی تلافی ممکن نہ ہو۔

اپنی ذمہ داری میں کوتاہی نہ کریں

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں ”اگر بہت سارے لوگ انتخابات میں کھڑے ہیں لیکن دین داری نہیں ہے تو اھون البلیتین پر عمل کرتے ہوئے ان میں سے ایسے شخص کا انتخاب کرنا چاہیے جو ان سب میں سب سے زیادہ ملک وملت کے لیے بہتر ہو اور دوسروں کے مقابلے میں غنیمت ہو اور اس کا شر دوسروں کی بنسبت کم ہو۔

ہم نے کسی ایسے شخص کو ووٹ دیا جو ہمارے نزدیک زیادہ دیانت دار، زیادہ خدمت گزار، زیادہ دین سے تعلق رکھنے والا ہے تو ہم نے اپنا فریضہ ادا کر دیا، اب وہ جیتے یا نہ جیتے ہمارا فرض ادا ہو گیا۔

اگر کوئی آدمی ہے جس کے بارے میں ہماری رائے ہے کہ یہ آدمی اچھا ہے، دیانت دار ہے، پرہیز گار ہے، لیکن اس کے کامیاب ہونے کی کوئی قوی امید نہیں ہے تو ہم یہ نہ سوچیں کہ ہم اس کو ووٹ دے کر اپنا ووٹ کیوں ضائع کریں، ہم کسی اور کو ووٹ دے دیتے ہیں، یہ خیال بالکل غلط ہے، جس کو ہم بہتر سمجھتے ہیں اس کے حق میں رائے دینا ہمارا فرض ہے۔

اگر ایک اچھے، نیک صالح، پرہیز گار، محب وطن، علم دوست کے بارے میں ہمارا یہ خیال ہو کہ اس کو ووٹ اس لیے نہیں دینا کہ اس کی کامیابی کی کوئی امید ہی نہیں ہے، کیونکہ اس کے حق میں پڑنے والے ووٹ کی تعداد ہی بہت کم ہوگی تو یہ تاثر غلط ہے۔ دیکھیے! اگر ہم اس کو اپنا ووٹ نہیں دیں گے تو اس سے عام تاثر یہ پیدا ہوگا کہ دین دار، امانت دار کی اس ملک میں کوئی قدر ہی نہیں ہے۔ اگر وہ ہار بھی جاتا ہے تو دنیا یہ تو دیکھے گی کہ چلو اس کو اتنے ووٹ تو ملے ہیں، اس کا وزن کتنا ہے یہ پتا چلے گا لوگوں کو۔ ہم ووٹ ہی نہیں ڈالیں گے تو لوگوں کو دین داروں کا وزن اور مقام کیسے پتا چلے گا؟ اس لیے ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس کے جیتنے کے امکانات زیادہ ہیں یا کم ہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ ملک کے مفاد کے لیے کتنا زیادہ بہتر ہے اور زیادہ بہتر طریقے سے ملک کی اور عوام کی خدمت کر سکتا ہے اور اس کی وجہ سے دین کا راستہ ہموار ہو سکتا ہے تو ایسے شخص کو ووٹ ڈالنا ہمارا فریضہ ہے چاہے وہ جیتے یا ہارے اس سے ہمیں سروکار نہیں ہے، کیونکہ ہمارا یہ کام اللہ کے لیے ہے۔ ہم اللہ تعالی کے سامنے اپنے اس عمل کے جوابدہ ہیں۔ ہم نے محض اللہ تعالی کی رضا اور اس کے دین کی بہتری کے لیے جسے اپنے ضمیر کے مطابق بہتر سمجھیں اسے ووٹ دینا ہے“۔(۱)

(۱) بحوالہ: صفہ اسلامک سینٹر

فصلِ سوم

موجودہ الیکشن میں کرنے کے کام

کوشش کسی کی بھی طرف سے ہو رنگ ضرور لائے گی

ایک طرف فرقہ پرست تنظیموں کی کوششیں اور دوسری طرف سیکولر پارٹیوں کی غفلت شعاری تیسری طرف مسلمانوں کی بے شعوری، جس کی وجہ سے ہارنے والے کی مسلسل جیت ہو رہی ہے، فرقہ پرست طاقتیں عرصے سے اپنی کوششوں میں مشغول تھیں، انھوں نے گاؤں گاؤں اور گلی گلی اپنے لوگوں کو پھیلا دیا تھا، جو دروازہ دروازہ پہنچ کر نفرت انگیز پرچار میں مشغول تھے، نفرت انگیز باتیں آسانی سے لوگوں کے جذبات کو متأثر کرتی ہیں اور بالخصوص اگر غریبوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ فلاں گروہ تمہارا حق کھاتا جا رہا ہے تو اس احساس کی وجہ سے حقیقی مسائل کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور لوگ فرضی مسائل میں اُلجھ جاتے ہیں، کوشش بہر حال رنگ لاتی ہے، چاہے وہ درست مقصد کے لئے ہو یا نادرست مقصد کے لئے؛ اس لئے یہ کوشش رنگ لائی اور اس کا نتیجہ سامنے ہے کہ بی جے پی دو تہائی سے بھی زیادہ اکثریت کے ساتھ اقتدار پر براجمان ہے۔

ماضی کی کوتاہیاں نہ بھولی جائیں

سیکولر پارٹیاں ایک تو آخر دم تک آپس میں لڑتی رہیں، مگر:

(۱) پارٹی کے اندر بھی انتشار برپا رہا۔

(۲) دوسرے انھوں نے صرف جلسوں اور ریلیوں کو کافی سمجھا۔

(۳) گھر گھر پہنچ کر ذہن سازی کی کوشش نہیں ہوئی۔

(۴) اور نہ ان کی طرف سے سوشل میڈیا کا کما حقہ استعمال ہوا۔

(۵) وہ فرقہ پرست پروپیگنڈے کا جواب بھی نہ دے سکے۔

(۶) اور عوام کو یہ نہیں بتا سکے کہ یہ ملک گنگا جمنی تہذیب کا ملک ہے، صدیوں سے یہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی بسر کرتے آئے ہیں، اس ملک کو آزاد کرانے میں، اس کی ترقی میں اور اس کے تحفظ میں سبھوں کی کوششیں شامل ہیں؛ بلکہ اپنے آپ کو سیکولر کہنے والی پارٹیوں نے نفرت انگیز پروپیگنڈوں کا جواب دینے کے بجائے ذات پات کا اور نام نہاد اقلیت دوستی کا سہارا لینے کی کوشش کی۔

ماضی کی غلطی سے سبق حاصل کریں

مسلمانوں کی بے شعوری کی صورت حال یہ ہے کہ ان کے ووٹ خزاں رسیدہ درخت کے پتوں کی طرح بکھر گئے، پانی کے معمولی قطرات جب موج بن کر متلاطم ہوتے ہیں، تو وہ چٹانوں کو بھی اپنے راستوں سے ہٹادیتے ہیں؛ لیکن اگر قطروں میں تقسیم ہوجائیں تو ہوا کا معمولی جھونکا اسے فضا میں تحلیل کردیتا ہے۔

(۱) اب یہ بات مسلمان سیاسی قائدین کے سوچنے کی ہے کہ ایسا کیوں ہوا تھا، اور اب کے الیکشن میں اس سے بچنے کی کیا صورت ہوگی؟

(۲) اور علماء اور مذہبی قائدین کے لئے بھی لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ بکھرے ہوئے مسلمانوں کو جمع کرنے میں کیوں ناکام رہے اور کس حد تک اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے کی کوشش کی؟

اچھے دن کا وعدہ نہ بھولیں

حضرت مولانا ومیض صاحب نقشبندی دامت برکاتہم فرماتے ہیں ''اچھے دنوں کا وعدہ کرکے اقتدار حاصل کرنے والوں نے ملکی عوام کو جس جہنم میں پہونچادیا تھا اس کے تصور ہی سے دل کانپ کر رہ جاتا ہے، ملک کے کچھ صنعت کاروں اور فرقہ پرست سیاسی قائدین کے لیے تو اچھے دن ضرور آئے؛ لیکن عام ہندوستانیوں کو قدم قدم پر مشکلات ہی کا سامنا کرنا پڑا، مہنگائی کی مار ہی کچھ کم نہ تھی، اس کے ساتھ نوٹ بندی اور جی ایس ٹی جیسی چیزوں نے رہی سہی کسر پوری کردی، لاء ان آرڈر کی بدترین صورت حِال کا تو کیا کہنا، سارا ملک جنگل راج کا منظر پیش کررہا تھا، موب لنچنگ میں سیکڑوں بے قصور مارے گئے، گاؤ رکھشک کی درندگی انتہا کو پہنچ گئی، دنگا فساد کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا، حالیہ ہریانہ گڑ گاؤں کا واقعہ تازہ مثال ہے، بی جے پی کے چار سالہ دور اقتدار میں ایسا لگ رہا تھا جیسے ملک میں قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہے''۔

پہلا کام۔آنے والے الیکشن میں اتحاد کے لئے کیا کریں؟

مسلمانوں کو اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا چاہئے اور مسلکی اور فروعی اختلافات سے اوپر اٹھ کر اپنے سیاسی وزن کو بڑھانا چاہیے، پوری دنیا میں اسلام مخالف طاقتیں مسلمانوں کو آپس میں تقسیم کرنا اور آپسی اختلاف کی بنیاد پر انہیں کمزور اور بے وزن کرنا چاہتی ہیں، ہندوستان میں بھی شدومد کے ساتھ ایسی کوششیں ہورہی ہیں، ان حالات میں کم سے کم مسلمانوں کو اپنے مشترکہ مسائل کے لئے ضرور اتحاد کو فروغ دینا چاہیے، اگر ہم

نے اس سے غفلت برتی اور ان لوگوں کو اقتدار کے بام و در پر مسلط ہو جانے کا موقعہ مل گیا، جو مسلمانوں کے تئیں مخالفانہ جذبات رکھتے ہیں تو نہ صرف ہمیں مادی نقصان پہنچے گا اور جان و مال کے سلسلہ مین عدم تحفظ سے دور چار ہونا پڑے گا؛ بلکہ ہمارے لئے اپنے مذہبی تشخص کو باقی رکھنا بھی مشکل ہو جائے گا، اسلام نے تو غیر مسلموں کے ساتھ بھی مشترکہ ایجنڈے پر مل جل کر کام کرنے کی ہدایت دی ہے، پھر کیا ہم مسلمانوں کے ساتھ کم از کم اس اُصول پر بھی اتحاد نہیں کر سکتے؟

اجتماعیت کے لئے دو باتیں ضروری ہیں

ایک :ایثار، دوسرے :اجتماعی مفاد کو ترجیح دینا، ایک ہی حلقہ سے جب کئی کئی مسلم اُمیدوار کھڑے ہوں، یا مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والی متعدد جماعتیں اپنے اُمیدواروں کو کھڑا کر دیں تو ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ مسلم ووٹوں کی تقسیم اور اس تقسیم کی وجہ سے فرقہ پرست عناصر کی کامیابی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا، ایسے مواقع پر اگر بعض حضرات ایثار سے کام لیں اور اجتماعی مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے مقابلہ سے ہٹ جائیں، یا مسلم تنظیمیں آپس میں حلقوں کی تقسیم کر لیں تو اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی منزل کو پا سکیں گی، ورنہ یہ بے ایثاری اور اجتماعی مفاد کے مقابلہ انفرادی مصالح کو ترجیح دینے کا رجحان سبھوں کو ناکامی و محرومی سے دو چار کرے گا اور بار بار انھیں اِس تجربے سے گزرنا پڑے گا، اس وقت ملک کے مختلف علاقوں میں مسلمان اسی صورت حال سے گزر رہا ہے، اُمت میں اتحاد انضمام سے قائم نہیں ہو سکتا ہے، تقسیم سے قائم ہو سکتا ہے، اگر ہم چاہیں کہ سب لوگ ہمارے ساتھ آ کر مل جائیں تو یہ بات دوسروں کے لئے قابل قبول نہیں ہوگی؛ لیکن اگر حلقے تقسیم کر لئے جائیں تو ہو سکتا ہے کہ اس سے سبھوں کو کامیابی کا کوئی حصہ مل جائے۔

مشترکہ مفاد کو ترجیح دینے کی قرآنی مثال

دو گروہوں کے درمیان خواہ کتنا بھی اختلاف ہو، لیکن بہت سے اُمور میں اشتراک بھی پایا جاتا ہے، اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ اختلافی اُمور کے بجائے ان اُمور پر نظر رکھی جائے جو قدرِ مشترک ہیں، مسلمانوں کے درمیان اتنی زیادہ باتیں مشترک ہیں کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں میں اس کا پچاس فیصد بھی شاید ہی مل سکے، مثلاً ہندو بھائیوں کے یہاں آریہ سماجی اور سناتن فرقوں کے درمیان، عیسائیوں میں کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور آرتھوڈسک کے درمیان خدا کے تصور کے بارے میں بھی اتفاق رائے نہیں پایا جاتا ہے، سکھ مذہب کے ماننے والوں میں عام سکھ اور اور نرن کاری مشن کے اختلاف کو دیکھئے، لیکن مسلمانوں کا معاملہ یہ

ہے کہ خدا کی توحید، اللہ تعالیٰ کی صفات، نبوت و رسالت اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم نبوت، آخرت، بنیادی فرائض، واجبات اور محرمات وممنوعات کے بابت کوئی اختلاف نہیں، اس لئے مسلمانوں کے لئے اتحاد و اتفاق کا راستہ بہت آسان ہے، اور وہ اختلافی چیزوں کے بجائے مشترکہ اقتدار کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھ سکتے ہیں۔

غور کیجئے! یہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور اسلام کے مزاج کے عین مطابق ہے، قرآن مجید نے یہودیوں اور عیسائیوں کو دعوت دی کہ ہم قدر مشترک پر ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہو جائیں اور وہ یہ ہے کہ ہم سب اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائیں، تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا (۱) جب مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان قدر مشترک کی بنیاد پر اتحاد کی تشکیل ہو سکتی ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ خود اُمت مسلمہ اس اُصول پر آپس میں متحد نہ ہو سکے۔

مفادِ مشترکہ میں اتحاد کی جانوروں کی مثال

اسلام اور مسلمانوں سے عداوت رکھنے والی طاقتیں شروع سے اس بات کے لیے کوشاں رہی ہیں کہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کیا جائے؛ تاکہ ان کی طاقت بکھر جائے، افسوس کہ خود مسلمانوں میں کچھ ایسے افراد ان کے آلۂ کار بن جاتے ہیں، جو کچھ متاع حقیر کے بدلے اپنے ضمیر کا سودا کر لیتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف ابھارنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو بعض کاموں کو نیک کام سمجھ کر بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ انجام دیتے ہیں؛ حالانکہ یہ ملت کے لیے نقصان کا سودا ہوتا ہے اور اس سے بالواسطہ طور پر اعداء اسلام کو تقویت پہونچتی ہے۔ مشکلات اور دشواریاں بھیڑیا اور بکری اور سانپ اور نیولے کو اکٹھا کر دیتے ہیں، مقام افسوس ہے کہ جس اُمت کو اس کے پیغمبر نے آخر آخر تک اتحاد و اتفاق کی تلقین کی ہے، اور جس کے درمیان اتفاق واشتراک کے نکات کے مقابلہ اختلافی نکات شاید دو فیصد بھی نہ ہوں، وہ اُمت نقش دیوار کو پڑھنا چھوڑ دے اور بلا امتیاز اس کے جان و مال اور عزت و آبرو کی ارزانی بھی اسے متحد نہ کر سکے، وہ اپنے دشمنوں کی منصوبہ بندی کی طرف سے غافل ہو جائے اور اپنی صفوں کو متحدہ چٹان کے بجائے بکھرے ہوئے ذرات بنا لے، کیا اس سے زیادہ کم نصیب بھی کوئی گروہ ہو سکتا ہے؟

یہ کیسا اتفاق ہے کہ آج خود ہم میں اتفاق باقی نہیں رہا ہے، اتفاق کی جگہ ہمارے دلوں میں نفاق نے گھر کر لیا ہے۔ ہندوستان میں کچھ طاقتیں ایسی ابھر آئی ہیں جو اتحاد و اتفاق کو تہس نہس کرنے کے درپے

(۱) آل عمران ۶۴ :

ہیں اور چاہتی ہیں کہ انتشار کے ذریعے ملک پر حکومت کی جائے ......ان کے ہاں وطن پرستی، غداری ہوگئی ہے اور غداری کو وطن پرستی گردانا جارہا ہے......لیکن یہ طاقتیں شاید بھول گئی ہیں کہ یہ وہ ملک ہے جہاں کے عوام نے ''ڈیوائیڈ اینڈ رول'' کے حامی انگریزوں کو نہیں بخشا تو یہ کس کھیت کی مولی ہیں؟

امام شافعیؒ اور شاگرد یونس الصدفیؒ کا واقعہ

کہا جاتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی مسئلہ میں اختلاف کیا، اپنی بات مدلل نہ کرسکا تو غصہ سے درسگاہ چھوڑ چلا، رات حضرت امام شافعیؒ اس کے گھر پہنچے، دستک دی، خلافِ توقع استاذ کو شاگرد اپنے دروازہ پر دیکھ کر حیران ہوا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تمھارے اور ہمارے درمیان سوؤں مسائل میں اتحاد ہے، اور چند مسائل مختلف فیہ ہیں، ہر مسئلہ کو جنگ کا ذریعہ نہ بناؤ، بہت سی بار نظریہ جیتنے سے زیادہ دل جیتنا ہوتا ہے، یونس! جس پل سے گذرتے ہو اسے توڑ کر نہ گذرتے ہو کبھی کبار لوٹ کر آنا پڑتا ہے، غلطی کو ہمیشہ ناپسند رکھو مگر غلط کرنے والے کو نہیں، قول پر نقد کرو مگر قائل پر نہیں، ہماری کوششیں مرض ختم کرنے کی ہیں نہ کہ مریض کو ختم کرنے کی۔

''كان يونسُ بن عبدالأعلى أحدَ طلاب الإمام الشافعي رحمهم الله، واختلف يونس مع أستاذه الشافعي، فقام غاضبًا وترك الدرس ورجع لبيته، وفي الليل ذهب الإمام الشافعيُّ لبيت يونس، فقال له :يا يونس، تجمعنا مئاتُ المسائل وتُفرِّقنا مسألةٌ! يا يونس، لا تحاول الانتصار في كل الاختلافات، فأحيانًا كسب القلوب أَولى من كسب المواقف، يا يونس، لا تهدم الجسور التي بنيتَها وعبرتها، فربما تحتاجها للعودة يومًا ما، اكره الخطأ دائمًا، ولا تكره المُخطئ، يا يونس، انتقد القول لكن احترم القائل؛ فإن مهمتنا أن نقضي على المرض، لا على المريض''

بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ اس واقعہ کی سند ثابت نہیں ہے، البتہ یونس صدفیؒ کا امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق یہ جملہ منقول ہے۔

''قال يونس الصدفي :ما رأيتُ أعقلَ من الشافعيِّ، ناظرتُه يومًا في مسألةٍ، ثم افترقنا، ولقيني فأخذ بيدي، ثم قال :يا أبا موسى، ألا يستقيم أن نكون إخوانًا وإن لم نتفق في مسألة''!

ہم کسی مسئلہ میں متفق نہ بھی ہوسکیں تو آپس میں مسلمان بھائی بھائی بن کرتو رہ سکتے ہیں؟(۱)

درندے بھی مصالحت کے لئے تیار ہیں

مفتی جمال الدین صاحب صدر مفتی دارالعلوم حیدرآباد فرماتے ہیں ’’ایک تلخ اور تکلیف دہ حقیقت ہے کہ آج مسلمان چھوٹی چھوٹی وحدتوں میں تقسیم ہوکر رہ گئے ہیں، فرقہ بندی اور تعصب وعناد امتِ مسلمہ کی پہچان بن گئی ہے، معدوے چند اختلافی مسائل کو لے کر مسلمانوں کا ایک گروہ دوسرے گروہ سے برسرِ پیکار ہے، نظریاتی کش مکش کی وجہ سے ہر گروہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر کر رہا ہے، جس کی وجہ سے مسلمان ہندوستان میں ایک قابل لحاظ تعداد میں ہونے کے باوجود اپنی افادیت واپنا اعتبار کھو بیٹھے ہیں اور حکومتی ڈھانچہ کی تشکیل میں مسلمانوں کا مجموعی طور پر کوئی قابل قدر کردار نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ یہ پہلو کافی افسوس ناک ہے اور فوری طور پر اصلاح طلب بھی ہے۔

خوفناک سیلاب یا ہولناک زلزلہ کا منظر جس نے دیکھا ہے وہ بخوبی اس بات سے واقف ہے کہ اس ناگہانی آفت میں گرفتار ہوجانے کے بعد درندے یک اپنی روش اور خصلت پر قائم نہیں رہ پاتے، بھیڑیا بکری پر جست نہیں لگاتا، شیر انسان پر حملہ نہیں کرتا، سانپ تک اپنے قریب کے آدمی کو نہیں ڈستا، بچھو کسی انسان کو ڈنک نہیں مارتا، ایسا لگتا ہے کہ ان کے درمیان ایک خاموش سمجھوتہ اور خاموش مفاہمت ہوگئی ہو کہ اس ناگہانی آفت سے آزاد ہونے تک ہم ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہیں، تو کیا ہندستانی مسلمان جن قیامت خیز حالات سے گزر رہے ہیں اور بہت سے مسلمان فرقہ پرست طاقتوں کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں، کیا ہم اس کو سیل بلا سے تشبیہ نہیں دے سکتے؟ اور کیا ہم مشترکہ مقاصد کے حصول اور ہمہ گیر آفت کے استیصال کے لیے اپنے فروعی اختلافات تہہ کر کے رکھ سکتے‘‘؟(۲)

اختلاف کے باوجود محبت رکھنا

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ’’الافاضات الیومیہ‘‘ میں فرماتے ہیں:

آج کل حالت یہ ہے کہ کسی سے اختلاف ہوا اور فوراً اس پر کفر کا فتوی جاری کر دیا جائے گا۔ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا۔ مولوی فضل حق صاحب، مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مدمقابل تھے۔ ایک بار مولوی فضل حق صاحبؒ

(۱) سیر أعلام النبلاء؛ ط الحدیث: ۸/ ۲۴۰، تاریخ دمشق؛ لابن عساکر: ۵۱/ ۳۰۲

(۲) ووٹ اور انتخابات، اہمیت وضرورت، تقریظ: ، ۱۷

تھانہ بھون تشریف لائے۔رئیس قاضی نجابت علی صاحب نے ان سے مولانا شاہ اسماعیل کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔فرمایا میرے لیے یہی اعزاز کافی ہے کہ وہ میرے مقابل اور میرے معاصر ہیں۔پھر قاضی صاحب نے مولانا شاہ اسحاق صاحب کے بارے میں معلوم کیا(وہ بھی ان کے مدمقابل تھے)فرمایا،اس مجلس میں انسانوں کا ذکر ہورہا ہے۔جب جبرئیل اور میکائیل کا ذکر ہوگا،اس وقت شاہ اسحاق صاحب کا ذکر کیجیے گا۔مخالفوں کے ساتھ عقیدت اور محبت کی یہ حالت تھی کہ اختلاف کے ساتھ ساتھ مخالفوں کے کمالات بھی پیش نظر رہتے تھے۔(۱)

ایک بار مولانا قاسم نانوتویؒ دہلی تشریف لے گئے۔مولانا احمد حسن امروہوی اور امیر شاہ خان بھی ساتھ تھے۔امیر شاہ خان نے سوتے وقت مولوی احمد حسن سے کہا کہ صبح برج والی مسجد میں نماز پڑھیں گے،سنا ہے وہاں کے امام قرآن اچھا پڑھتے ہیں۔مولوی صاحب نے کہا وہ ہمارے مولانا قاسم کی تکفیر کرتا ہے،اس کے پیچھے کیسے نماز پڑھیں گے؟مولانا قاسم صاحبؒ نے ان کی بات سن لی تو فرمایا۔احمد حسن میں تو سمجھتا تھا کہ تم لکھ پڑھ گئے مگر تم جاہل ہی رہے،دوسروں کو جاہل کہتے ہو۔کیا قاسم کی تکفیر سے وہ امامت کے قابل نہ رہا؟میں تو اس سے اس کی دین داری کا معتقد ہوگیا۔اس نے میری کوئی ایسی بات سنی ہوگی،جس کی وجہ سے میری تکفیر واجب تھی۔اگرچہ روایت غلط پہنچی ہو تو یہ راوی کا قصور ہے۔بہرحال اس کا سبب دینی حمیت ہی ہے۔اب میں خود اس کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔غرض کہ مولانا نے صبح کی نماز اس کے پیچھے پڑھی۔(۲)(۳)

بیت المقدس کی فتح کے وقت عیسائیوں کا حال

لکھا ہے کہ جب حضرت صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ بیت المقدس فتح کرنے چلے،اپنے جاسوس کو احوال کا جائزہ لینے کے لئے بھجوایا،جاسوس نے خبر سنائی کہ ”جو اہلِ علم یعنی پادری ہیں وہ مسلکی اختلاف میں مبتلاء ہیں اور جو جوان ہیں وہ شراب وکباب میں مگن ہیں،پادریوں کا اختلاف اس بات پر ہے کہ ”حضرت عیسیٰؑ آخری وقت جب (ان کے عقیدہ کے اعتبار سے) پھانسی دی گئی تو جو کی روٹی کھائی تھے یا گیہوں کی روٹی“ سارے فوجی حیران رہ گئے،آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:ایسی قوم سے جیت آسان بلکہ یقینی ہے۔

---

(۱)الافاضات،148 :8

(۲)الافاضات294 :4 :

(۳)بہ حوالہ:محمد موسیٰ بھٹو،ہمارے نفسی واجتماعی مسائل (انتخاب ملفوظات مولانا اشرف علی تھانویؒ)، (147-148

ہندو وکیل کی نصیحت

مسلمانوں کا مسلکی مسئلہ رفع یدین و ترکِ رفع یدین کا عدالت میں پہنچا، دونوں طرف نمازی، کوئی قاتل شرابی، جواری نہ تھے، جج حقیقتِ حال سے واقف ہونے کے بعد کہنے لگا: فیصلہ تو بعد میں ہوگا مگر مجھے تعجب ہے کہ میں بھی ہندو اور وکیل بھی ہندو، وہ بٹّو، ٹیکہ چوڑائی میں لگاتا ہے اور میں لمبائی میں لگاتا ہوں، الگ الگ خدا کو مانتے ہیں، مگر جب پیشہ و پیسہ کی خاطر دونوں ایک بن گئے، آپ لوگ ایک خدا کے ماننے والے، ایک قرآن پر یقین رکھنے والے، مذہب کی خاطر ایک نہیں ہو سکتے؟

حسن البناءؒ کا واقعہ

حسن البناء شہیدؒ ایک مسجد میں دیکھا کہ ٨ ررکعت تراویح پڑھنے والوں کی الگ جماعت ہے، ٢٠ ررکعت پڑھنے والوں کی جماعت الگ ہے، جیسے آپ میں سے بعض لوگوں نے پڑوس ملک کی ایک ویڈیو دیکھی ہوگی جہاں ایک امام کو امامت سے برخاست کر دیا گیا، دوسرے کی تقرری ہوئی، مگر کوئی اپنا منصب چھوڑنے تیار نہیں، دونوں بیک وقت ایک ہی مسجد میں ایک ہی نماز کی امامت کر رہے تھے، اس سے گھٹیا اور کیا مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ حسن البناء شہیدؒ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: تراویح سنّت مؤکدہ ہے، اتحاد فرض عین ہے، یہ کونسی سنت ہے جس کے قیام کے لئے فرض ترک کر دیا جائے، کیا ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ ٨ ررکعت والے بیس رکعت والوں کے پیچھے ٨ ررکعت پڑھ کر چلے جاتے، بجائے اس کے کہ الگ جماعت بنا لیتے ،فرض ترک کر کے قائم کی جانے والی سنت سے ہدایت نہیں فتنہ پھیلتا ہے''۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا سبق آموز واقعہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں منی میں چار رکعت پڑھاتے تھے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دونوں خلفاء دو پڑھائے تھے، چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہاں بھی ایک بیوی تھی جس کے پاس قیام تھا، اس لئے آپؓ مقیم ہو چکے تھے، جسکا علم حضرت ابو ذرؓ کو نہ تھا، اس لئے اختلاف کیا کہ آپ سنت کے خلاف کر رہے ہیں ،میں نے ابو بکرؓ و عمرؓ کو دو رکعت پڑھاتے دیکھا، جب نماز کا وقت آیا تو حضرت ابو ذرؓ بھی اقتداء میں کھڑے ہو گئے، نماز کے بعد کسی نے کہا: اختلاف تھا تو اقتداء کیوں کئے؟ فرمایا: ٢ رکعت زائد پڑھ لو یہ بہتر ہے کہ دوسری جماعت بنا کر امت میں اختلاف پیدا کر دوں۔

بوڑھے باپ کی بیٹوں کو نصیحت

ایک باپ کے چار بیٹے تھے۔ چاروں ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ باپ ایک بار کافی بیمار ہوا۔ اس نے سوچا میری بیماری کے موقع پر یہ سب میری خدمت کر رہے ہیں سب کا میرے پاس آنا جانا رہتا ہے۔کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے؟ باپ نے ایک ترکیب سوچی جب چاروں بیٹے آگئے تو باپ نے ان سب کو جنگل سے دو دو لکڑیاں لانے کا کہا۔ چاروں بیٹے جنگل گئے اور لکڑیاں جمع کر کے لے آئے۔ باپ نے ہر ایک کو باری باری ایک ایک لکڑی دی اور اسے توڑنے کو کہا۔سب حیران تھے کہ والد صاحب آج ہم سے یہ کیسا کام کروا رہے ہیں۔لکڑیاں جمع کر کے لانے کو کہا اور اب انہیں توڑنے کا کہہ رہے ہیں۔لیکن باپ کے حکم کی تعمیل میں سب باری باری ایک ایک لکڑی توڑ دیتے ہیں۔ پھر باپ نے بقیہ چار لکڑیوں کا گٹھرا بنا کر اسے توڑنے کا کہا۔ باری باری سب نے گٹھرا توڑنے کی کوشش کی لیکن کسی سے نہ ٹوٹا۔ باپ نے پھر سب کو سمجھایا کہ ”دیکھو تم ایک باپ کی اولاد ہو۔تمہیں آپس میں لڑتا دیکھ کر میرا دل بہت اداس ہوتا ہے۔تم اسی طرح الگ الگ رہے تو کوئی بھی تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور تمہیں ختم کر سکتا ہے۔لیکن مل جل کر رہے تو ان جمع شدہ لکڑیوں کی طرح دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ختم نہیں کر سکتی۔“

جنگل کے تین بیلوں کا واقعہ

ایک جنگل میں تین گائے مل جل کر ہنسی خوشی زندگی گزار رہی تھیں۔ایک گائے سفید تھی، ایک پیلی تھی اور ایک کالی۔جنگل کا بادشاہ شیر، ان کے اتحاد کو ختم کرنے کی ترکیبیں سوچا کرتا تھا تاکہ ان پر حملہ کر کے اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکے۔ایک دن ایک ترکیب اس کے دماغ میں سوجھی۔ وہ پہلے سفید اور پیلی گائے کے پاس گیا اور بھڑکایا کہ تم دونوں کتنی خوبصورت ہو، کالی گائے تمہارے جوڑ کی نہیں ہے۔ وہ تمہارے لیے داغ ہے۔تم اسے اپنے اتحاد سے الگ کر دو تو کیا خوب بات ہو! دونوں گائے اس کی باتوں میں آگئیں اور کالی گائے کو اپنے سے الگ کر دیا۔ جب شیر نے کالی گائے کو علیحدہ دیکھا تو موقع پا کر اس پر حملہ کر دیا اور بآسانی اسے ہضم کر لیا۔ کچھ دنوں بعد شیر سفید گائے کے پاس گیا اور اسے بہکایا کہ تم گوری ہو، بہت خوبصورت ہو، پیلی گائے تمہارے جوڑ کی نہیں اسے اپنے سے علیحدہ کرنا مناسب رہے گا! سفید گائے اس کے بہکاوے میں آگئی اور پیلی گائے کو اپنے سے علیحدہ کر دیا۔ چنانچہ شیر نے موقع پا کر اسے بھی ہڑپ کر لیا۔اب تنہا سفید گائے بچی تو شیر نے اسے کہا : اب تمہارا کوئی نہیں رہا چلو میں ہی تمہارے پاس آجاتا ہوں اور اسی طرح اسے بھی ختم

کردیا۔اس طرح دشمن کی سازش اور اپنی نادانی وحماقت سے وہ خود اپنا وجود ختم کر بیٹھیں۔

یہودی قوم سے ملا سبق

قوم یہود ہزاروں سال سے افراتفری کا شکار رہی ہے۔یہود کے بارہ قبائل تھے لیکن چند ایک کے علاوہ تمام قبائل اپنی پہچان اور شناخت ختم کر چکے ہیں۔مختلف زمانوں میں ان کی بداعمالیوں اور سنگین جرائم کی پاداش میں بہت برے طریقے سے انہیں تہس نہس اور منتشر کیا گیا۔صدیوں سے ان کی ایک مملکت بھی قائم نہ ہوسکی تھی۔ان سب باتوں کے باوجود یہود کبھی متحد نہ ہوئے۔کاروباری مصروفیات اور مال کی حرص میں وہ اس حد تک آگے چلے گئے کہ اپنا مذہب، اپنا خاندان، اپنا امتیاز غرض ہر چیز سے وہ خواب غفلت میں رہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں ان کو کچھ ہوش آیا۔انہوں نے اپنی منتشر طاقت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ان کے بلند دماغوں نے ایسی پالیسیاں وضع کیں کہ آج غاصبانہ طریقے سے ہی سہی، ان کی ایک مملکت قائم ہے۔ان کی منتشر طاقتیں بتدریج جمع ہورہی ہیں۔ پورے دنیا کے یہودیوں کو اسرائیل میں آباد کرنے کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے اور دنیا کی طاقتیں یہودیوں کے اثرورسوخ اور ان کی دولت کی طاقت سے سراسیما نظر آتی ہیں۔(۱)

ہر مسئلہ کو اِس وقت حل کرنا عقلمندی نہیں ہے

الیکشن کے موقع پر امت میں انتشار پیدا کرنے کے لئے مسلکی مسائل کو چھیڑا جائے گا،ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی جائے گی، اگر ایسے موقع پر آدمی ہر سوال کا جواب دینے لگے تو وہ مخالفین کی سازش کا شکار ہو جاتا ہے،قرآن مجید میں اس کی بڑی خوب مثال ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے اپنی دعوت پیش کی تو فرعون تو مسلمان نہیں ہوا؛ البتہ جن جادوگروں کو اس نے بلایا تھا، ان پر سچائی ظاہر ہوگئی اور وہ ایمان لے آئے تو آخری حربہ کے طور پر فرعون نے کہا کہ تمہارے بقول ان کا مسئلہ تو حل ہوگیا اور یہ اللہ کے عذاب سے بچ گئے ؛لیکن ان کے آباء واجداد کا کیا ہوگا؟ وہ تو ایمان لائے نہیں، تمہارے بقول کفر کی حالت میں دنیا سے چلے گئے،اس کا سیدھا سادہ جواب یہ تھا کہ ان کا بھی وہی حال ہوگا، جو دوسرے ایمان سے محروم لوگوں کا ہوگا،لیکن حضرت موسیٰ نے اعراض کا پہلو اختیار کرتے ہوئے فرمایا:”**علمھا عند**

(۱)صفہ اسلامک ریسرچ سنٹر، کراچی

ربی فی کتاب لا یضل ربی و لا ینسیٰ"(۱) "میرے پروردگار کو اس کا علم ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، میرے پروردگار نہ غلطی کرتے ہیں اور نہ بھولتے ہیں"۔

غور فرمائیے کہ حضرت موسیٰ نے کس خوبصورتی کے ساتھ اس کی سازش کو ناکام کر دیا اور ایسا جواب دیا جو غلط بھی نہیں تھا، اور فرعون جو چاہتا تھا کہ جادوگروں کو حضرت موسیٰؑ سے دور کر دے، اس میں کامیاب بھی نہ ہوسکا۔

حکمت بھرا جواب

ایک صاحبِ دل بزرگ جیل کی سزا ہوئی، ہندو جیلر نے مسلمانوں کے مسلکی اختلاف کو ہوا دینے کے لئے ایک موقع سے سوال کیا کہ آپ لوگوں میں اور اہلِ حدیث میں یہ کیا اختلاف ہے؟ مقصد مزید تشدد پر لانا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے، بس وہ رفع یدین کے ساتھ نماز کے قائل ہیں ہم بغیر رفع یدین کے باقی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ نماز ہو جاتی ہے اور اس بات پر بھی متفق ہیں کہ خدا ایک ہی ہے، ہزار خدا نہیں ہوسکتے"۔ جواب کے دوسرے حصّہ سے جیلر کی بولتی بند ہوگئی۔

کرنے کا دوسرا کام۔ رازدارانہ روّیہ

اپنے ہر پروگرام کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کر دینا اور نوشتۂ دیوار بنا دینا عقل مندی نہیں ہے، اس سے آپ کے مخالفین جاگ جاتے ہیں، آپ کے عزائم فلک شگاف نعروں کی شکل اختیار کر کے فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں؛ لیکن آپ کے دشمن ردعمل کے طور پر ایک منصوبہ بناتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں؛ اس لئے الیکشن میں مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی اخبارات کے ذریعہ کرنے کے بجائے سینہ بہ سینہ لوگوں تک پہنچا کر کرنا بہتر ہے، یہ طرز عمل مخالفین کو جگانے کا سبب نہیں ہوتا ہے، آج کل میسیج اور واٹس ایپ کے ذریعہ یہ بات آسان ہوگئی ہے کہ مسلمانوں کا ایک تھنک ٹینک ہو جو ووٹنگ سے چند گھنٹے قبل گھر گھر اپنا پیغام پہنچائے کہ انھیں اپنے حلقہ میں کس اُمیدوار کو ووٹ دینا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ کسی مہم پر تشریف لے جاتے تو ساری تیاری ہوتی؛ لیکن قریب ترین رفقا کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہاں کا ارادہ ہے؟ صرف غزوۂ تبوک کے موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو پہلے سے اپنے ارادہ سے باخبر کر دیا تھا؛ کیوں کہ غالباً مدینہ میں ایسے لوگ نہیں تھے، جن کا

---

(۱) طٰہٰ: ۵۲

رومیوں سے ربط ہو، اگر آپ ﷺ سے منزل دریافت بھی کی جاتی تو مبہم طریقہ پر فرماتے کہ فلاں علاقہ کی طرف جانے کا ارادہ ہے، متعین طور پر اپنی منزل کا ذکر نہیں فرماتے، یہاں تک کہ فتح مکہ کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے اپنے سفر کو اس قدر مخفی رکھا اور ایسا نامانوس راستہ اختیار کیا کہ مکہ کی سرحد تک پہنچنے پر بھی لوگوں کو کوئی خبر نہیں ہوسکی، اسی طرح مکی زندگی میں انفرادی طور پر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا، مگر آپ نے کبھی اس کا اعلان و اظہار نہیں فرمایا؛ بلکہ بعض حضرات کو مصلحت کے تحت قبول اسلام کو چھپانے کا حکم دیا؛ لیکن آج کل مسلمانوں میں قبل از وقت تشہیر کا مزاج عام ہوگیا ہے، نہ صرف سیاسی قائدین بلکہ مذہبی رہنما بھی کھلے عام کسی فریق کی تائید اور کسی کی مخالفت کا اعلان کردیتے ہیں، یہی حال دوسرے معاملات میں بھی ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کرلے تو اخبار میں اشتہار شائع ہوتا ہے : ''فلاں شخص فلاں کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوا'' اس میں قبول اسلام سے زیادہ 'دست حق پرست' کی تشہیر مقصود ہوتی ہے، یہ طرز عمل مسلمانوں کو تمام ہی مسائل میں اور خاص کر سیاسی اعتبار سے بہت نقصان پہنچا رہا ہے، مسلمان خود تو متفق نہیں ہو پاتے؛ کیوں کہ جب ایک ہی جگہ سے کئی کئی مسلمان مسلمانوں کی خدمت کے نام پر اُٹھیں گے، تو ان کا متحد ہونا ممکن نہیں ہوگا، اسی طرح جب آپ مجمع عام میں کسی کو کلمہ پڑھاتے ہیں یا اخبارات ورسائل میں اس کی تشہیر کرتے ہیں تو فطری طور پر، پہلے جس سماج سے اس کا تعلق تھا، اس سماج کے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے؛ اس لئے موجودہ نازک حالات میں بڑی حکمت سے کام لینے کی اور اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے اور منصوبوں کو صیغۂ راز میں رکھ کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

تیسرا کام ۔ مشتعل نہ ہوں

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ ہمارے مخالفین چاہتے ہیں کہ ہم مشتعل ہوں، ہماری گفتگو تیز اور دوسروں کے لئے اہانت پر مبنی ہو، ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش کریں؛ کیوں کہ ہمارا لب ولہجہ جتنا تیز ہوگا، مخالفین کا ووٹ بینک اسی قدر مضبوط ہوگا اور انھیں نفرت پھیلانے میں سہولت ہوگی، اشتعال انگیز تقریر چاہے ایک جگہ ہو؛ لیکن اس کا اثر پوری ریاست اور پورے ملک میں ہوتا ہے، چاہے وہاں مسلمان اُمیدوار میدان میں موجود ہو یا نہ ہو، اس سے عمومی طرز پر مخالفانہ رائے بنتی ہے، رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہمیں اس کا سبق ملتا ہے، مدینہ میں منافقین کا ایک ایسا گروہ موجود تھا، جو مسلمانوں کا بغلی دشمن تھا اور مسلم سماج سے ہر طرح کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے زندگی گزار رہا تھا؛ لیکن مسلمانوں کے خلاف ہونے والی ہر سازش میں شریک ہوتا تھا، رسول اللہ ﷺ کو ان افراد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلع کردیا گیا

تھا؛لیکن آپ ﷺ کی اعلیٰ ظرفی اور مصلحت اندیشی کا حال یہ تھا کہ آپ انے کبھی اس پردہ راز کو اُٹھانے کی کوشش نہیں کی؛ کیوں کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ یہ ان مسلمانوں کے لئے غلط فہمی اور رنج کا باعث بنے، جو حقیقت حال سے واقف نہ تھے اور جن کا منافقین سے قریبی ربط وضبط تھا،اسی طرح یہود قدم قدم پر مسلمانوں اور خود رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچاتے تھے ؛لیکن آپ نے کبھی بھی پوری قوم یہود کے تئیں سخت رویہ اختیار نہیں فرمایا؛ بلکہ جس قبیلے کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچی ،آپ نے صرف ان کے خلاف کارروائی کی ۔

حسن تدبیر اور جذبات پر عقل وفراست کو غالب رکھنے کا واقعہ

آپ ﷺ اپنے رفقاء ’’مہاجرین اور انصار‘‘ کے ساتھ ایک مہم پر نکلے ،اس میں عبداللہ ابن ابی بھی شامل تھا،ایک مقام پر پڑاؤ کیا گیا،اور پانی لینے کے مسئلہ پر حضرت عمرؓ کے غلام اور انصاری صحابیؓ کے درمیان کچھ تکرار ہوگئی ،بات آگے بڑھی ،غلام نے مہاجرین کو اپنی مدد کے لئے آواز دی اور انصاری نے انصار کو پکارا اور یہ معمولی سا جھگڑا دو شخص کا نہ رہا؛ بلکہ دو جماعتوں ’’انصار ومہاجرین‘‘ کا اختلاف بن گیا،آپ نے ان دونوں ہی کی فہمائش کی اور بظاہر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ معاملہ رفع دفع ہوگیا؛لیکن عبداللہ ابن ابی ایسے مواقع کی تاک میں رہتا تھا،اس نے اس کو مہاجرین وانصار کے درمیان گروپ بندی کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی اور انصار کو عار دلائی کہ یہ نوبت اسی لئے آئی کہ تم نے محمد ﷺ اور مکہ سے آنے والے ان کے ساتھیوں کی مدد کی،مہاجرین کے ساتھ ہماری مثال عربی زبان کے اس محاورہ کی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو؛ تاکہ وہ تمہیں کو کھا جائے ’’سمن کلبک یأکلک‘‘ پھر یہ بھی کہا کہ اب مدینہ پہنچ کر جو باعزت لوگ ہیں، وہ ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے ۔ یَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۔(۱)

عبداللہ ابن ابی نے یہ بات چند انصار کے درمیان کہی ،ایک کم عمر انصاری صحابی حضرت زید ابن خالد جہنیؓ نے بھی اپنے سر کے کانوں سے یہ بات سنی اور جذبہ ایمان کے تحت رسول اللہ ﷺ سے صحیح صورتِ حال عرض کردی ،حضرت عمرؓ پر جوشِ حق کا غلبہ رہتا تھا،اور باطل ان کو ذرا بھی برداشت نہیں تھا،انھوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اس منافق شخص کا سر قلم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں ،آپ ﷺ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر ایسا کیا گیا تو لوگ خیال کریں گے کہ اب محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرا رہے ہیں ۔

---

(۱) سورہ المنافقون ۸ :

پھر آپ ﷺ نے براہ راست عبد اللہ ابن ابی سے واقعہ کی تحقیق کی، اس نے انکار کیا کہ میں نے ایسی بات نہیں کہی، انصار میں سے اکابر اور سر برآوردہ حضرات نے بھی اپنی ناواقفیت کی وجہ سے عبد اللہ ابن ابی کی تصدیق کی اور کہا کہ زید بچے ہیں، ان کی بات کا کیا اعتبار ہے؟ مگر خود وحی الٰہی سے حضرت زید کی تصدیق ہوئی، بہر حال اس ناخوشگوار واقعہ کا چرچا پورے قافلہ میں ہوگیا اور بعض بھولے بھالے مسلمانوں کا ذہن ایک حد تک اس سے متاثر بھی ہوا۔

آپ ﷺ نے اس پر کچھ زیادہ گفتگو نہیں فرمائی اور قافلہ کو کوچ کرنے کا حکم فرمایا، آپ ﷺ کا عام معمول یہ تھا کہ صبح میں سفر شروع کرتے تو شام میں کہیں پڑاؤ کرتے اور شام میں سفر کا آغاز فرماتے تو صبح کے قریب کہیں منزل فرماتے؛ لیکن خلافِ معمول آپ ﷺ پورے دن اور پھر اس رات مسلسل چلتے رہے اور اور اگلے دن دو پہر کے وقت ایک جگہ خیمہ زن ہوئے، چلچلاتی ہوئی دھوپ، گرم ریت، بھوک و پیاس اور مسلسل سفر نے لوگوں کو تھکا کر رکھ دیا اور جو وقتی ناخوشگواری پیدا ہوگئی تھی، اس کا اثر بھی جاتا رہا، دراصل یہی مصلحت تھی جس کے پیش نظر آپ انے اس سفر کو غیر معمولی طول دیا؛ تاکہ لوگ اس تلخی کو بھول جائیں۔

پھر ایک عرصہ کے بعد جب عبد اللہ ابن ابی کا نفاق لوگوں کے سامنے کھل کر آ گیا، حضراتِ انصار کو بھی اس کا خوب اندازہ ہوگیا، تو عبد اللہ ابن ابی کے صاحبزادے - جو مخلص مسلمان تھے - اور ان کا نام بھی عبد اللہ ہی تھا، آپ ﷺ کی خدمت حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ معلوم ہوا ہے کہ آپ میرے والد کو قتل کرانے والے ہیں، اور واقعتا وہ اپنے نفاق کی وجہ سے اسی لائق ہیں؛ لیکن مجھے اپنے والد سے بڑی محبت ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شاید میں ان کے قاتل کو نہ دیکھ سکوں! اگر واقعی ایسا ہی ہے تو آپ ﷺ مجھے حکم فرمائیے کہ میں خود اپنے والد کا سر قلم کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دوں، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور حضرت عمرؓ کو بلا کر صورتِ حال بتائی کہ اگر میں نے اس وقت قتل کا حکم دیا ہوتا تو بہت سے لوگ بدگمان ہو سکتے تھے، اور آج صورتِ حال یہ ہے کہ خود یہ لوگ اس کے نفاق اور در پردہ عداوت سے پوری طرح واقف ہو چکے ہیں، اور خود ان کا لڑکا اُن کے قتل کے لئے تیار ہے، حضرت عمرؓ آپ انکی اس دوراندیشی اور معاملہ فہمی سے بہت متاثر ہوئے اور بے ساختہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی رائے میں برکت رکھی ہے۔ ''بارک اللہ في رأي رسوله''۔

یہ ایک مثال ہے حسن تدبیر اور جذبات پر عقل وفراست کو غالب رکھنے کی! اسی کو قرآن مجید نے ''صبر'' سے تعبیر کیا ہے، صبر کے معنی بزدلی اور پسپائی کے نہیں ہیں، بلکہ صبر سے مرادحسنِ تدبیر اور کسی اقدام کے لئے صحیح موقع ومحل کا انتخاب کرنے کے ہیں، صبر یہ ہے کہ آدمی اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے آپ کو مشتعل

اور بے برداشت ہونے سے بچائے؛ اس لئے کہ اشتعال اور غیظ وغضب کی حالت میں انسان کی قوتِ فیصلہ کم یا ختم ہو جاتی ہے، اور فراست و دانش مندی کا دامن اس کے ہاتھوں سے چھوٹنے لگتا ہے؛ اسی لئے آپ نے غصہ کی حالت میں کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے ''لایقضي القاضي و ھو غضبان'' کیوں کہ غصہ کی حالت میں آدمی معاملہ کی نوعیت کو سمجھنے اور اس کے بارے میں مناسب رائے قائم کرنے سے قاصر رہتا ہے، جیسے انفرادی اور شخصی معاملات میں یہ ضروری ہے کہ آدمی سنجیدہ حالت میں اہم فیصلے کرے، اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ضروری ہے کہ قومی اور اجتماعی مسائل میں ہم اشتعال اور غضب کی کیفیت میں کوئی فیصلہ کرنے اور قدم اٹھانے سے باز رہیں، ورنہ اس کا نقصان سنگین بھی ہوگا، دور رس بھی اور وسیع بھی۔

چوتھا کام ۔ آپ ﷺ کی مدنی سیاسی حکمتِ عملی کو اپنائیں

آپ ﷺ کی حکمتِ عملی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ آپ نے مدینے میں آباد مختلف لوگوں سے الگ الگ قبیلے کی حیثیت سے معاملہ طے کیا، تمام یہودیوں کو ایک کمیونٹی کا درجہ نہیں دیا؛ بلکہ آپ نے الگ الگ قبیلے کی حیثیت سے ان سے معاملہ رکھا؛ اسی لئے جب یہودیوں کے ایک قبیلہ کا مسلمانوں سے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ٹکراؤ ہوا تو دوسرا قبیلہ غیر جانب دار ہوگیا، اس ملک میں مسلمانوں کی یہی پالیسی ہونی چاہئے کہ برادرانِ وطن کی مختلف ذاتوں کے ساتھ الگ الگ طریقہ پر معاملات کریں، ہندو بھائیوں میں بڑی تعداد انصاف پسند بھی ہے، ان میں بھی ایک طبقہ ظلم و جور کا شکار رہا ہے، ہم جب مسلمانوں پر ظلم و جور کی باتیں کریں تو تمام ہندوؤں کو اپنا فریق نہ بنائیں، ہماری گفتگو سنگھ پریوار اور سنگھ ذہنیت کے حامل لوگوں تک محدود رہے اور ہم بار بار اس بات کو واضح کریں کہ ہندو بھائیوں سے ہماری لڑائی نہیں ہے، ہم سب ایک ملک کے باشندہ ہونے کی نسبت سے بھائی بھائی ہیں، ہماری پوری کوشش ہونی چاہئے کہ مسلمان اور غیر مسلم دو مقابل فریق نہ بن جائیں، ورنہ جب ایک طرف اسی فیصد لوگ اور دوسری طرف پندرہ تا بیس فیصد لوگ ہوں تو ظاہر ہے کہ کامیابی پہلے فریق ہی کو حاصل ہوگی۔

پانچواں کام ۔ تعلیم وتجارت میں آگے رہیں

اس وقت ضرورت ہے کہ مسلمان فرقہ پرست طاقتوں کے آگے بڑھنے کا ماتم کرنے کے بجائے ایک منصوبہ بنائیں، اس منصوبے میں تعلیمی ترقی کو بنیادی اہمیت حاصل ہو، ہماری کوشش ہو کہ شرح خواندگی

اور شرحِ تعلیم کے اعتبار سے ہمارا گراف اونچا ہو، پیشہ وارانہ تعلیم میں مسلمان آگے بڑھیں؛ کیوں کہ یہ حصول روز گار کا ایک مؤثر وسیلہ ہے، اعلیٰ تعلیم کی مسلمانوں کو ترغیب دی جائے؛ کیوں کہ اس کے بغیر قومی پالیسی کے تعین میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں ہوسکتا؛ خاص کر سول سروس کے امتحانات کے لئے مسلمانوں کو تیار کیا جائے، دینی مدارس کے تعلیمی نظام میں عمدگی لائی جائے اور اس کو عصر تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے، اسی طرح مسلمان تجارت اور کاروبار کی طرف خصوصی توجہ دیں، اس کے لئے حکومت کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، اور اللہ نے اس میں بڑی برکت رکھی ہے، مسلمانوں کی ان صنعتوں کے لئے رہنمائی کی جائے، جن کو کم سرمایہ سے شروع کیا جاسکتا ہے۔

مسلمانوں کی افسوس ناک تعلیمی صورتِ حال

مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی صاحب لکھتے ہیں ”مسلمانوں کی آبادی اور اقلیتی فرقوں کی تعلیمی حالات کی جو رپورٹ ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے تناظر میں شائع کی گئی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی آبادی اس ملک میں صرف تیرہ فیصد ہے، جن میں صرف 2.76 فی صد گریجویٹ ہیں، تکنیکی اور غیر تکنیکی تعلیم میں ڈپلوما حاصل کرنے والے 0.44 بارہویں کلاس تک تعلیم پانے والے مسلمانوں کی تعداد 4.44 فی صد، دسویں تک تعلیم حاصل کرنے والے 6.33 اور 16.8 فی صد مسلمانوں نے صرف پرائمری کی تعلیم حاصل کی ہے، عورتوں میں خواندگی کا تناسب مجموعی گریجویٹ 2.76 فی صد میں 36.65 ہے، تینتالیس فی صد مسلمانوں نے کبھی اسکول کا منہ نہیں دیکھا، یہ سرکاری اعداد وشمار ہیں، اور ان کی صحت پر سوالات اٹھتے رہے ہیں، لیکن ہمارے پاس احوال کے جاننے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، اس لیے ان اعداد وشمار پر ہی اعتماد کرنا پڑتا ہے، تھوڑے بہت کا فرق ہو تب بھی مسلمانوں کا تعلیمی گراف بہت اونچا نہیں جاسکتا، کیوں کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے جو تعلیمی اعداد وشمار ہیں وہ بہت آگے ہیں، ہندوستان گیر سطح پر دیکھیں تو جین مذہب کے ماننے والے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں، ان کی خواندگی کا تناسب 86 فی صد اور غیر خواندہ 13.75 فی صد ہیں، ہندوؤں میں غیر خواندہ لوگوں کی تعداد 36.40 سکھوں میں 32.49 بودھوں میں 28.17 عیسائیوں میں تقریباً 25.66 فی صد ہے، مجموعی طور پر پورے ملک کی خواندگی کا تناسب دیکھیں تو صرف 5.63 فی صد لوگ ہی بی اے یا اس سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں، اعلیٰ تعلیم میں پورے ملک میں 61.6 فی صد مرد اور 38.4 فی صد خواتین ہیں۔ان اعداد وشمار میں آئندہ مردم شماری کی جو رپورٹ آئے گی اس میں بڑی تبدیلی کا امکان ہے، جب تک اگلی مردم شماری کا عمل مکمل نہیں ہوتا ۲۰۱۱ء کی

رپورٹ ہی ہمارے لیے بحث وتحقیق اور تجزیہ کے لیے استعمال ہوتی رہیگی "۔

چھٹواں کام : سیاسی وزن قائم کریں!

مسلمان ایک داعی امت ہے : لیکن افسوس کہ برادران وطن تک اسلام کی امانت پہنچانے کے لئے انہوں نے کوئی قابل ذکر کوشش نہیں کی، اب بھی وقت ہے کہ ہم اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کریں، اور اپنی فراموش کردہ ذمہ داری کی طرف متوجہ ہو جائیں، اسی طرح اپنی سیاسی بے وزنی کو کم کرنے کے لئے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں، اگر اتحاد و یک جہتی کا ثبوت دیں تو اب بھی اپنے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں، اقلیت میں ہونے کے خوف کو اپنے دل سے نکال دینا چاہئے؛ کیوں کہ مسلمان اس ملک میں ہمیشہ اقلیت ہی رہے اور اقلیت ہی میں رہتے ہوئے انہوں نے سینکڑوں سال حکومت کی، آج بھی امریکہ میں یہودی اور ہندوستان میں برہمن اقلیت میں ہیں؛ لیکن ان ملکوں کے فیصلوں میں جس قوت کے ساتھ وہ شریک ہیں وہ کسی صاحبِ نظر سے مخفی نہیں۔

ساتواں کام۔مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کریں

حق انتخابات کے استعمال کے حوالہ سے عام مسلمانوں کو باشعور بنانا نہایت ضروری ہے، علماء اور ائمہ مساجد جمعہ کے خطبات میں ووٹ کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالیں اور بتائیں کہ شرعی نقطۂ نظر سے ووٹ کی چار حیثیتیں ہیں: (۱) شہادت (۲) شفاعت (۳) وکالت (۴) امانت۔ جس امیدوار کے حق میں آدمی ووٹ ڈالتا ہے وہ دراصل گواہی دے رہا ہے کہ یہ شخص ملک وملت کے حق میں بہتر ہے، جس طرح ووٹ نہ ڈالنا در اصل گواہی کو چھپانا ہے، اسی طرح غلط امیدواروں کے حق میں حق انتخاب کا استعمال جھوٹی گواہی دینا ہے۔ اور جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے، بہت سے مسلمان اور ملک کے دیگر باشدے پیسے لیکر ووٹ ڈالتے ہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی پیسے لیکر جھوٹی گواہی دے۔ مسلمانوں میں شعور پیدا کیا جائے کہ ہر ہر فرد کا ووٹ انتہائی قیمتی اور ملک وملت کی تقدیر بدلنے والا ہے، اس لیے سوچ سمجھ کر اس کا استعمال کیا جائے، جن علاقوں میں قابل سیکولر مسلم امیدوار کے مقابلہ میں دیگر پارٹیوں کی جانب سے مسلم امیدواروں کو کھڑا کیا گیا ہے تا کہ مسلم ووٹوں کو تقسیم کر دیا جائے، ایسے امیدواروں کو بالکلیہ طور پر مسترد کر دیں۔

آٹھواں کام۔زمینی سطح کی محنت کریں

مسلم پولنگ فیصد کو بڑھانے کے لیے زمینی سطح کی محنت ضروری ہے، ملی ومذہبی قائدین کی ذمہ داری

ہے کہ محلہ واری سطح پر ڈور ٹو ڈور پہونچ کر مستقل محنت کریں، اکثر مسلمان سیاسی قائدین کی بے عملی دیکھ کر ووٹ نہ دینے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں جو کہ غلط ہے، باشعور مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عام مسلمانوں میں اس بات کا شعور پیدا کریں کہ موجودہ ملکی حالات میں ووٹ کی اہمیت عبادت سے کچھ کم نہیں ہے۔

محنت کا طریقہ کیا ہو؟

ایک حلقۂ پارلیمانی میں سات حلقہ اسمبلی ہوتے ہیں، ایک حلقہ اسمبلی میں ڈھائی سو (۲۵۰) سے تین (۳۲۰) تک پولنگ بوتھ (ووٹ ڈالنے کے مراکز) ہوتے ہیں، ایک بوتھ میں ۸۰۰ر سے ۱۲۰۰ر تک ووٹ ہوتے ہیں، ۸۰۰ر ووٹوں کو مکانات پر تقسیم کیا جائے کہ ایک مکان میں چار افراد و ہوتے ہیں، تو چار سو مکانات ہوں گے، ان چار سو مکانات کو مسجد و محلہ کی طرف سے بننے والے جماعت پر تقسیم کر دیا جائے کہ بیس افراد کی جماعت بن جائے تو ایک فرد کے ذمہ دس مکانات ہوں گے، اور اگر دس افراد پر تقسیم کیا جائے تو ایک فرد کے ذمہ بیس مکانات ہوں گے، ایک شخص کو اپنے محلہ کے بیس مکانات کا سروے کرنا اور وہ بھی ایک مہینہ میں کوئی مشکل کام نہیں ہے، ایک فرد گھر گھر جا کر تمام افراد کا ووٹ بنوانا، کریکشن کروانا وغیرہ مکمل کام کرے، تنہا جانے کے بجائے اپنے کسی ساتھی کو معاون بنالے، یہی شخص ووٹر ائی ڈی بنوانے سے لے کر ووٹ ڈلوانے تک کی ذمہ داری برداشت کرلے تو مکمل رہبری ہی نہیں مکمل کامیابی کی امید بآسانی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور یہ کام مسجد کمیٹی و محلہ کمیٹی کی طرف سے کیا جائے کسی سیاسی تنظیم کی طرف سے کیا جائے گا تو شدید اختلافات کا اندیشہ ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ کام کرنے سے کوئی سیاسی پارٹی آپ کی مخالفت نہیں کرے گی، بلکہ شکر گذار ہوگی، کیونکہ وہ بھی ووٹ کی امیدوار ہوتی ہے، اور مسجد میں اعلانات کئے جائیں کہ مسجد کی طرف ہمارے جوان افراد آپ کے گھر ووٹر آئی ڈی بنوانے کے لئے آئیں گے۔

ایک گذارش

ہنگامی طور پر تین کام کرنے کا اہتمام کرلیں:

(۱) ہر مسجد میں روزانہ مغرب کی نماز کے بعد ووٹر آئی ڈی کارڈ کی اہمیت کو بتلایا جائے، بالخصوص نمازِ جمعہ میں دعا سے قبل ہر ہر فرد کو اپنے پورے گھر اور پوری گلی محلہ میں ووٹر آئی ڈی کارڈ بنانے کی فکر دلائی جائے۔ (۲) محلہ و مسجد وار کمیٹیاں تشکیل دی جائیں، جن میں متحرک وفعّال نوجوانوں کو گھر گھر پہنچ کر اس ذمہ داری کا احساس دلانے کے ساتھ ووٹر آئی ڈی بنوا کر دے۔

(۳) آن لائن ووٹر آئی ڈی کارڈ و دیگر حکومتی دستاویزات بنانے اور اصلاح کرنے والے افراد سے رابطہ کر کے ان کو محلہ وار ذمہ دار بنا کر پورے محلہ و بستی کا ووٹر آئی مسجد کے تحت میں بنوا دیا جائے۔

نواں کام ۔ سو فیصد ووٹر آئی ڈی بنوانے اور ووٹنگ کو یقینی بنائیں

کوئی بھی کام ہوتے ہوتے ہوتا ہے، مسلمانوں کا طبقہ عرصہ دراز تک الیکشن ،سیاست کو شجرِ ممنوعہ ہی سمجھتے آیا ہے، ابھی بھی بعض عوام ہی نہیں خواص و دیندار لوگوں کی بھی اس کا شعور نہیں ہے، کہ ووٹ ڈالنے اور نہ ڈالنے سے کتنا فرق پڑتا ہے، بس یہ ذہن میں ہے کہ کس کو بھی ووٹ ڈالیں ہمارے مسائل میں تو کوئی فرق نہیں ہو رہا ہے اس لئے ڈال کر کیا فائدہ ،اس بے شعوری سے نکالنے کے لئے زمینی طور پر بہت محنت کرنا پڑے گا، جہالت و بے شعوری میں پھینکے جانے والے جملوں کو برداشت کرنا پڑے گا، ہر مسجد کے تحت کام کو تقسیم کر کے محلہ وار اور مسجد وار گھروں پر جا کر کام کرنا پڑے گا، دن میں پانچ بار اذاں دینے کے بعد بھی آنے والے دس فیصد ہی ہوتے ہیں، تو ایک دو بار ووٹر ائیڈی بنوانے کے اعلان سے دو فیصد ہی مشکل سے آئیں گے، اس لئے گھر پر جا کر کام کرنا ہوگا، مسلمانوں میں سے کوئی بالغ اٹھارہ سال والا ایسا نہ رہے جس کا ووٹر آئی ڈی نہ بنا ہو، اور نہ ہی اس نے ووٹ ڈالا ہو، منت سماجت کی جائے، ووٹنگ کا دن آنے سے قبل پوری تیاری کی جائے، ووٹنگ کے دن سے پہلے بارہا فون کر کے یاد دہانی کروانا، ووٹنگ کے دن ووٹ ڈالنے تک سواری فراہم کرنا، لے کر جانا، وغیرہ سارے کام اپنی ذمہ داری سمجھ کر کروانا ہوگا۔

دسواں کام ۔ ووٹ بکھرنے و تقسیم ہونے نہ دیں

اکثر مسلم تنظیمیں اور مسلم شخصیات انتخابات سے قبل مختلف سیاسی جماعتوں کے لیے تائیدی اپیل جاری کرتے ہیں، ہر جماعت کا نقطۂ نظر دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، اس قسم کی اپیلوں سے بالعموم مسلم رائے دہندگان کنفیوژن کا شکار ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے مسلم ووٹوں کے بکھرنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، بیان بازی اور شور و ہنگامے کے بجائے خاموش منصوبہ بندی کے ذریعہ اس بات کی کوشش کی جائے کہ مسلم ووٹ بکھرنے سے محفوظ رہیں، یوپی جیسی ریاست میں اکثر و بیشتر مسلم ووٹ بکھراؤ کی نذر ہو جاتے ہیں۔

۵ - بھرپور کوشش کی جائے کہ انتخابات سے قبل مسلم بہ مقابلہ ہندو کا ماحول نہ پیدا ہو، فرقہ پرست جماعتیں اس قسم کے ماحول جان بوجھ کر پیدا کرتی ہیں؛ تاکہ ہندو ووٹوں کو متحد کیا جا سکے، اس سلسلہ میں مسلم قائدین کو بھی فرقہ وارانہ بیان بازی سے احتراز کرنا چاہیے، اس قسم کی بیان بازی کا راست فائدہ فرقہ پرست

جماعتوں ہی کو ہوتا ہے، الیکشن کو مذہبی رنگ دینے والے کسی طرح مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ ایسے ملت فروش ہوتے ہیں جو دنیا کے حقیر مفاد کے لیے ملت کو نقصان پہونچانے سے گریز نہیں کرتے۔

مسلمانوں کے ووٹ کیسے تقسیم ہوتے ہیں

اس ملک میں مسلمان تقریباً بیس کروڑ ہیں، اتنی آبادی معمولی نہیں ہوتی ہے، سعودیہ میں ساڑھے تین کروڑ کی آبادی ہے، جبکہ یوپی کے مسلمانوں کی تعداد چار کروڑ ہے، انڈونیشیاء اور ملیشیاء کی آبادی سے چار گنا زیادہ آبادی بھارت کے مسلمانوں کی ہے، یوں سمجھ لیں چھ سعودیہ عرب ملائیں تو ہندوستانی مسلمانوں کی تعداد مکمل ہوتی ہے مگر پھر بھی سب کے ذہن میں ہے کہ ہم اقلیت میں ہیں ۔اصل مسئلہ کیا ہے کہ بیس کروڑ مسلمانوں نے اپنی طاقت کو کمزور کرلیا ہے:

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان آزادی کے بعد ووٹر ائی ڈی بنوانے کی طرف کما حقہ توجہ نہیں دیا، آج بھی چالیس فیصد مسلمانوں کے پاس ووٹر ائی ڈی نہیں ہے، یعنی بیس کروڑ میں سے آٹھ کروڑ کے پاس ووٹر ائی ڈی نہیں ہے، یہیں مسلمانوں کی چالیس فیصد طاقت کم ہوگئی، ساٹھ فیصد میں سے تیس فیصد لوگ ووٹنگ کے دن گھر میں سوتے رہتے ہیں ووٹ نہیں ڈالتے یہ دوسری کمزوری ہے، بقیہ تیس فیصد لوگوں کے ووٹ صدقہ وخیرات کی طرح تقسیم ہو کر سو فیصد طاقت رکھنے والی قوم دس فیصد پر آجاتی ہے جس کی وجہ سے وہ سیاسی لحاظ سے حاشیہ وکنارہ پر ہوجاتے ہیں۔

۱۔کوئی اپنی برادری کے نمائندہ کو ہی ووٹ دے گا جبکہ یقیناً وہ جیتنے والا نہیں ہے۔

۲۔کوئی صرف مسلمان کو ہی ووٹ دے گا جبکہ اس کے مقابل میں اور دس مسلمان امیدوار کھڑے ہیں۔

۳۔کوئی پیشہ کے لئے لحاظ سے تقسیم کیا ہوا ہے کہ چمڑے کے کاروباری فلاں کو اور پرانے سامان کے کاروباری فلاں کو وغیرہ۔

۴۔کہیں دشمن کے مقابلے کے لئے میدان کارزار کی طرح صف بنائے کھڑے ہیں کہ ایک فرقہ پرست لیڈر رہے تو دوسری طرف دس مسلمان یا سیکولر پارٹیاں کھڑی ہیں سیکولر ووٹروں کے ووٹ تقسیم ہو گئے اور فرقہ پرست جیت گیا، جیسے دیوبند اس کی واضح مثال ہے۔

۵۔ماضی میں نظام آباد تلنگانہ سے ۱۸۶/امیدوار الیکشن میں کھڑے ہوئے جو دنیا کی تاریخ کا پہلا سیاسی داغ ہے اور کمال یہ ہے کہ سب کو کچھ نہ کچھ خیرات ملی ہے۔جس کی وجہ سے سیکولر امیدوار ہار گیا اور فرقہ پرست جیت گیا۔

۶۔کہیں گھر کے چند افراد میں تقسیم کر لیتے ہیں کہ تم فلاں کو ووٹ دینا، میں فلاں کو دوں گا وغیرہ۔

یاد رکھیں کتنے طاقت ور ہونے کے باوجود ایک پتھر سے بھاگ جاتے ہیں اور شہد کی مکھیاں پتھر کھانے کے بعد متحد ہو کر مارنے والے کو بھگاتی ہیں، غور کر لیں کہ ہمیں کیا بننا ہے؟ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ بکریاں جب تک ایک ساتھ چلتی ہیں تو کوئی بھیڑیا ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔کمزور جانور جب مل کر شیر اور

ہاتھی پر حملہ کرتے ہیں تو شیر اور ہاتھی جیسے طاقتور جانوروں کو بھی ہار ماننی پڑتی ہے۔پھل پھول جب تک شجر سے پیوستہ رہتے ہیں خوب پھلتے پھولتے ہیں، سر سبز و شاداب رہتے ہیں لیکن جب وہ درخت سے جدا ہو جاتے ہیں تو گل سڑ جاتے ہیں اور موسم بہار سے لطف اندوز ہونا ان کے لیے ممکن نہیں رہتا۔پانی جب تک سمندر میں ہوتا ہے اس کی ایک طاقت ہوتی ہے۔اس کی طوفانی موجوں سے ہر کوئی ڈرتا ہے لیکن اگر اسی موج کو سمندر سے کاٹ کر الگ ذخیرہ کر دیا جائے تو اس کی کوئی حیثیت اور تاثیر نہیں رہتی۔اسی طریقے سے مسلمان جب تک ایک مذہب اور ایک نظریے کے تحت اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ نہیں کریں گے، نسلی تعصب ،لسانیت اور پارٹی بندی سے علیحدہ ہو کر باہم جذب نہیں ہوں گے تنزلی، پستی اور انحطاط و زوال ہمارا مقدر رہے گی۔

گیارہواں کام۔کام کی فکر ہو نہ کہ نام کی

استاذ محترم حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ”مسلم جماعتوں اور تنظیموں کا اپنے جیسی دوسری جماعتوں اور تنظیموں کے تئیں متعصب ہونا نہیں بنتا؛ کیوں کہ ان میں سے ہر جماعت اور تنظیم وسیع تر معنوں میں خدمتِ دینی کے نصب العین کے تحت کام کرتی ہے اور جب ان کے درمیان دین کے تئیں اخلاص و وفاداری، اعلاے کلمۃ اللہ کے لیے جدو جہد، مسلمانوں کے مصائب کو دور کرنے اور دنیا و آخرت میں ان کی فلاح و کامرانی کے لیے جدو جہد جیسی مشترک قدریں پائی جاتی ہیں، تو ان میں سے ایک کو دوسری جماعت سے تنگی نہیں محسوس کرنا چاہیے، یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ میرا جھنڈا ہمیشہ اونچا رہے اور دوسرے کا زمیں دوز ہو جائے۔

لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حقیقت یہی ہے؛ چنانچہ ہر مسلم تنظیم چاہے اس کی بنیاد سماجی خدمت کے لیے رکھی گئی ہو یا دینی و مذہبی خدمت کے لیے یا تعلیم و تربیت، تبلیغ و دعوت وغیرہ جیسی خدمات کے لیے، مشاہدہ یہ ہے کہ یہ تنظیمیں اپنے جیسی دوسری تنظیموں کے تئیں نہ صرف متعصب ہوتی ہیں؛ بلکہ ان کے

اندر ایک دوسرے کے حوالے سے کینہ پروری اور عداوت ومخاصمت کے جذبات بھی پائے جاتے ہیں اور ہر حال میں ایک تنظیم دوسری تنظیم کو زیر کرنے اور دبانے کے لیے ہر ممکن وسائل وذرائع اختیار کرتی ہے۔

ان کا یہ عمل نہ صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کے اندر اخلاص نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی اور دین و مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے کے تئیں ہمدردی وخیر خواہی سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں؛ بلکہ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ تنظیمیں معمولی انسانی آداب واقدار سے بھی محروم ہیں اور حد سے بڑھی ہوئی خود پرستی ان کے رگ وریشے میں سرایت کیے ہوئی ہیں اور یہ تنظیمیں ’’اسلامی‘‘ دائرے سے نکل کر’’دنیوی‘‘ جماعتوں اور تنظیموں کے دائرے میں داخل ہوگئی ہیں۔

ہم نے قرن اول کے مسلمانوں کے بارے میں کبھی نہیں سنا کہ ان میں سے کسی نے دینی خدمت کے حوالے سے اپنے دینی بھائی کے تئیں تعصب سے کام لیا ہو یا اس کا یہ خیال ہو کہ وہ جو نیک اعمال انجام دے رہا ہے، وہ دوسرے مسلمانوں سے بہتر ہیں، چہ جائیکہ وہ مسلمان بھائیوں کے پیچھے پڑے، ان کی مخالفت کرے یا اس سے کھینچا تانی کرے، ہم نے نہیں سنا کہ حضرت ابو بکرؓ اپنی خدمت دین کو حضرت عمرؓ کی خدمت سے بہتر سمجھتے ہوں۔ اسی طرح بعد کے زمانے میں تابعین اور تبع تابعین کی نسل میں کوئی ایسا نہیں ملتا جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ وہ دوسرے کے مقابلے میں دین کی خدمت زیادہ بہتر کر رہا ہے، ہم نے نہیں سنا کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے معاصرین کی خدمات دینی کو ہیچ گردانا ہو یا امام شافعیؒ، مالکؒ یا امام احمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی خدمت کا انکار کیا ہو، امام ابن تیمیہؒ نے کبھی نہیں کہا کہ ان کے پیش روائمہ نے اسلام کے ساتھ برا کیا اور صرف وہ اچھا کر رہے ہیں، اسی طرح جنید بغدادیؒ یا عبدالقادر جیلانیؒ یا معین الدین چشتیؒ یا ابن الجوزیؒ نے حسن بصریؒ یا سالم بن عبد اللہؒ کی احسان وتزکیہ اور تصوف وسلوک کے باب میں خدمات کا انکار نہیں کیا۔

ہم نے ہمیشہ یہی سنا کہ ان صلحائے وقت اور خادمین اسلام اپنے معاصرین کا نہ صرف اعتراف کرتے تھے؛ بلکہ انھیں ہر اعتبار سے اپنے سے بہتر سمجھتے تھے اور اگر کوئی انھیں اپنے معاصرین یا اسلاف میں سے کسی پر برتر قرار دیتا، تو انھیں برا لگتا اور رونے لگتے؛ بلکہ سخت غصہ ہوتے اور شرمندگی کا اظہار کرتے تھے۔

مگر آج کیا ہو گیا ہے کہ ہر شخص اور ہر ادارہ اپنے علاوہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا، نہ کوئی بڑا عالم وفاضل اپنے معاصرین کی کسی بھی خوبی، صلاحیت کا اعتراف کرتا ہے۔ تمام تر مسلم جماعتوں، تنظیموں، تحریکوں اور اداروں کا یہی حال ہے، ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو تن تنہا مسلمانوں کا ترجمان سمجھتا ہے، ان تنظیموں کے درمیان نہایت ناپسندیدہ، مبغوض ومکروہ مقابلہ آرائی نظر آتی ہے، جسے دیکھ کر بالکل بھی نہیں لگتا کہ یہ تنظیمیں اللہ کی رضا

کے لیے کام کر رہی ہیں یا دین کی خدمت کر رہی ہیں، جس کے لیے اعلیٰ درجے کا اور نفاق وریا کاری سے پاک اخلاص چاہیے ہوتا ہے۔ ان کی بیشتر سرگرمیوں اور کم سے کم پچاس فیصد کاموں سے بالکل بھی نہیں لگتا کہ یہ اپنے کاموں میں مخلص ہیں یا دین کے فروغ، امت کی فلاح اور مسلمانوں کی تہذیبی وثقافتی سربلندی کے لیے کام کر رہی ہیں۔

یہیں سے ہمیں عام طور پر اٹھائے جانے والے اس سوال کا جواب ملتا ہے کہ: اتنی ساری سوچنے والی عقلوں، ہر وقت محوِ تدبیر رہنے والی جماعتوں، تازہ دم تنظیموں، مسلسل سرگرمِ عمل تحریکوں، ملت کو زوال وانحطاط اور نامرادی و ناکامی سے نجات دلانے کے ہر وقت منصوبہ بندی کرنے والے اداروں کے باوجود آخر مسلمانوں کی نامرادی وحرماں نصیبی کا سلسلہ ختم کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ ہر قسم کی معنویتوں اور فکری وعملی اقدار سے بے بہرہ جماعتوں کی کثرت ان قلیل تہذیبی وفکری چیلنجز کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتیں، جو ایک خاص عقیدے، فکر اور پیغام (بھلے ہی وہ باطل ہو) کے تئیں اخلاص جیسی قدروں سے لیس ہیں۔

کسی بھی عقیدے کے تئیں اخلاص (گرچہ وہ باطل ہو، پھر صحیح عقیدے کا کیا کہنا!) اور جذبہ فنائیت ایسا وصف ہے جو کم کو زیادہ اور زیادہ کو کم بنا دیتا ہے، تاریخ میں اس کی بہت سی دلیلیں اور حال وماضی کے انسانی تجربات کے بطن میں اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ آخر کوئی تو بات ہے کہ دنیا بھر میں آسمان کے تاروں کے مانند پھیلی ہوئی مسلم تنظیمیں اور جماعتیں مسلمانوں کو عمومی طور پر خوشحال بنانے، ان کی نامیدی کو امید میں تبدیل کرنے، ان کی تاریک صورتِ حال کو روشن بنانے اور ان کے پژمردہ حال کو شگفتہ بنانے میں ناکام ہیں۔ اور کوئی تو وجہ ہے کہ ہمارے پاس بڑی تعداد میں مفکرین اور روشن دماغ لوگ موجود ہیں، مگر وہ ریا، نفاق، انتشار، باہمی بغض وحسد، پیٹھ پیچھے کی جانے والی سازشوں اور فرد و جماعت اور ادارے کی سطح پر ایک دوسرے کے درمیان جاری کشمکش کو دور کرنے میں ناکام ہیں۔

میرا خیال ہے کہ وہ جماعتیں، تحریکیں، تنظیمیں اور ادارے جو اپنی اصلاح نہیں کر سکتے، وہ کبھی بھی دوسرے افراد اور جماعتوں کی اصلاح نہیں کر سکتے اور اگر وہ باطنی افلاس کی شکار ہیں، تو ایسی تنظیموں کی ظاہری ترقی وثروت مندی کا کوئی فائدہ نہیں مسلم تحریکوں اور تنظیموں کا اصل مرض باطن کا افلاس ہی ہے، اسی تباہ کن مرض کی وجہ سے تمام تر وسائل، ترقی یافتہ ہتھیاروں اور قوم سے حاصل ہونے والی بھاری بھر کم امدادوں

کے باوجود انھیں معرکۂ حیات میں مسلسل ہزیمتوں کا سامنا ہے(۱)

کسی پارٹی کو ووٹ دیتے وقت کیا پیشِ نظر رکھیں؟

موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے یہ فیصلہ کرنا بہت دشوار ہوگیا ہے کہ وہ کس پارٹی کو اپنا ووٹ دیں؟ اگر چہ اب ووٹروں کے لئے ایک اختیار یہ بھی رکھ دیا گیا ہے کہ وہ ''کوئی نہیں'' پر اپنی مہر لگا سکتے ہیں؛ لیکن اس اختیار سے فائدہ اُٹھانا اقلیت کے لئے سیاسی خودکشی کے مترادف ہوگا اور اس کا فائدہ فرقہ پرست طاقتوں کو ہوگا؛ اس لئے اقلیتوں اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے ایک راستہ ہے کہ ووٹ دینے کے سلسلہ میں اپنی ترجیحات قائم کریں، انہیں صرف یہی نہیں دیکھنا ہے کہ کون بہتر ہے اور کون زیادہ بہتر یا کون بدتر ہے اور کون زیادہ بدتر؟ بلکہ ان کو یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ کون فرقہ پرست اُمیدوار کو شکست دینے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اگر چہ اس کی پارٹی کا منشور بھی نسبتاً اچھا ہے؛ لیکن اس میں فرقہ پرست اُمیدوار کو شکست دینے صلاحیت نہیں ہے، ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اگر مسلمان اپنے ووٹ کا استعمال کریں گے، تبھی وہ فرقہ پرست طاقتوں کو بامِ اقتدار پر چڑھنے سے روک سکیں گے۔

ہم کس پارٹی کو ووٹ دیں؟

اب سب سے اہم سوال یہ ہے کہ ہم کس پارٹی کو ووٹ دیں؟ یہ ایسا سوال ہے کہ موجودہ حالات میں دوٹوک جواب دینا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ دودھ کا پانی سے الگ کرنا؛ کیونکہ آج تک کا پورا ریکارڈ کھلے طور پر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ ہر پارٹی نے محض اپنے مفادات کے خاطر قوم وملت سے بڑے بڑے وعدے کیے، مگر جب ایفاءِ وعدہ کا نمبر آیا تو کسی نے بھی اس کا پاس ولحاظ نہ رکھا، پھر بی جے پی تو شروع ہی دن سے مسلمانوں سے بغض وعناد وعداوت رکھتی چلی آرہی ہے اور اس میں وہ بے باک طور پر سامنے آتی ہی رہی ہے؛ لہذا اس کے حق میں تو ووٹ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہاں مسلمانوں کو ہوشیار رہنا چاہیے کہ آج کل ووٹ کے خاطر بی جے پی کچھ نرم گوشہ دکھائی دے رہی ہے، مگر یہ سب سیاسی چالیں ہیں، بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ بی جے پی نے اپنا نظریہ بدل دیا ہے؛ لہذا اب اس کو ووٹ دے کر دیکھ لینا چاہیے، مگر یہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ محض ایک سیاسی چال ہے جس کو سمجھنا مسلمانوں کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

اب رہی دوسری پارٹیاں، ان میں سے کانگریس کی نیت بھی صاف نہیں ہے، اس نے ہمیشہ مسلمانوں

(۱) مطبوعہ: من وحی الخاطر، ج ۲:، ص ۲۰۹:—۲۱۸، ط: ادارہ علم وادب دیوبند جنوری ۲۰۲۱ء

سے وعدہ کرکے ان کو دھوکہ ہی دیا ہے، بل کہ حقیقت یہ ہے کہ کانگریس کی کوکھ سے ایسے سپوتوں نے بھی جنم لیا ہے، جو مسلم دشمنی میں پیش پیش رہے، اس لیے کلیتہً یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ کانگریس کے حق میں ووٹ دیا جائے، اب رہی دیگر جماعتیں اور پارٹیاں ان کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہ ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کے بھی خلاف ہے، اس صورتِ حال میں کیسے کہا جائے کہ کانگریس کے حق میں ووٹ دیا جائے، ان کو کوئی مضبوط پوزیشن بھی حاصل نہیں، اس لیے ان کو ووٹ دینا دیانت کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کے بھی خلاف ہے، بس اتنا تو کہہ سکتے ہیں کہ بی جے پی کو ہرگز ووٹ نہ دیا جائے، اور دوسری پارٹیوں کے متعلق اہلِ رائے حضرات میں سے بعض حضرات نے یہ رائے پیش کی ہے کہ جس علاقے میں جس امیدوار کی اچھی پوزیشن ہو، اس کو ووٹ دیا جائے، اور جس کی پوزیشن اچھی نہ ہو اس کو ووٹ دے کر اپنا ووٹ ضائع نہ کرے۔ بعض حضرات نے یہ رائے تجویز کی ہے کہ کانگریس اگرچہ اپنے چہرے پر ہزار داغ رکھتی ہے تاہم اس کا منشور سیکولر ہے، اور آئندہ اس کے اندر صلاحیت کے امکانات ہیں، لہذا کانگریس ہی کو ہر جگہ ووٹ دیا جائے، کیوں کہ مختلف پارٹیوں کو ووٹ دینے سے وہی مخلوط حکومت بنے گی، جس کی ناکامی کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔ اور بحیثیت پارٹی کے کانگریس کے سوا اس کے قابل نہیں۔ اور غالباً یہی رائے مناسب معلوم ہوتی ہے۔

بہ ہر حال مسلمانوں کو اپنا ووٹ ضائع نہ کرنا چاہیے، اور ہر جگہ کے لوگ اپنے اپنے علاقے کے اہلِ رائے حضرات سے مشورہ کرکے اس سلسلے میں قدم اٹھائیں، اور ہر جگہ کے اہلِ رائے حضرات بھی دوسروں کی رہنمائی کا کام پوری دلچسپی کے ساتھ کریں تو یہ ووٹ نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔(۱)

مفتی شبیر احمد قاسمی دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ: بھارتی جنتا پارٹی جو اس وقت مسلمانوں کی شدید دشمن ہے اس کے ساتھ گھوم کر ووٹ مانگنا اور اپنے متعلقین مسلمانوں کے ووٹ اس کے MLA کو دلوانا اعانت علی المعصیۃ ہے، جو گناہِ کبیرہ ہے، قرآن کریم میں اس سے ممانعت آئی ہے۔ **ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**(۲)

ووٹ دینے میں کیا چیز پیشِ نظر رہے؟

موجودہ حالات میں سب سے اولیت اس بات کو حاصل ہے کہ کونسا اُمیدوار فرقہ پرست تنظیم کو شکست دے سکتا ہے، اس کو ترجیح دی جائے، خواہ وہ اُمیدوار مسلمان ہو یا غیر مسلم، دلت ہو یا اونچی ذات کا ہو، اقلیتی

---

(۱) نفائس الفقہ، ۵/ ۳۰۹

(۲) المائدۃ، آیت ۲) (فتاوی قاسمیہ، ۶/ ۵۴۹، اشرفی دیوبند

پارٹی کی نمائندگی کرتا ہو یا قومی پارٹی کی، اگر ہم نے لازمی طور پرکسی مسلمان اُمیدوار یا ایک متعین پارٹی ہی کو ووٹ دیا تو ہمارا ووٹ ضائع ہو جائے گا اور ہمارے ووٹوں کی تقسیم سے فرقہ پرست عناصر کو فائدہ پہنچ جائے گا؛ اس لئے بہت ہی سمجھداری و دانشمندی سے کام لینے کی ضرورت ہے، ہمیں ماضی کے ریکارڈ کو بھی سامنے رکھنا چاہئے، بعض سیاسی جماعتیں سیکولرزم کے نام پر ووٹ حاصل کرتی ہیں اور الیکشن کے بعد اقتدار کے لئے فرقہ پرستوں سے جا ملتی ہیں، کہیں ہم پھر اس دھوکہ کا شکار نہ ہو جائیں، مسلمانوں میں اتنی فراست ہونی چاہئے کہ وہ ایک ہی سوراخ سے بار بار نہ ڈسے جائیں۔ ’’لا یُلْدَ غُ المؤمنُ من جُحْرٍ واحد مرتین‘‘۔

کسی بھی پارٹی کو ووٹ دینے کی ترجیحات

☆ پہلی ترجیح یہ ہے کہ فرقہ پرست پارٹی کے نمائندوں کو شکست دی جائے اور جو اُمیدوار اس کو شکست دینے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس کے حق میں ووٹ کا استعمال کیا جائے، خواہ وہ کسی پارٹی کا اُمیدوار ہو، یہاں تک کہ آزاد ہی اُمیدوار کیوں نہ ہو، نیز چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم؛ کیوں کہ یہاں اصل مقصود فرقہ پرست عناصر کو شکست دینا ہے۔

☆ دوسری ترجیح یہ ہے کہ جہاں کوئی جماعت موجود ہو اور واقعہ اس کے کامیاب ہونے کی اُمید ہو، وہاں اس کے حق میں ووٹ کا استعمال ہو۔

☆ مسلم جماعت ہی کا نمائندہ ہو؛ لیکن بظاہر اس کے جیتنے کا امکان نہ ہو تو اس کے حق میں ووٹ کا استعمال اپنے حق کو ضائع کرنا ہے، اور بالواسطہ فرقہ پرست طاقتوں کو فائدہ پہنچانا ہے، مسلم جماعتوں کو بھی چاہیے کہ جہاں مسلم ووٹ کم ہوں یا جہاں ان کے اُمیدوار کھڑا کرنے کی وجہ سے مسلم ووٹ کے بٹ جانے کا اور فرقہ پرست جماعتوں کے کامیاب ہونے کا اندیشہ ہو، وہاں اپنا اُمیدوار کھڑا نہ کریں، ایسی جگہوں سے اُمیدوار کھڑا کرنے سے دو نقصان ہوتے ہیں، ایک یہ کہ مسلم ووٹ کی تقسیم کی وجہ سے فرقہ پرستوں کو فائدہ پہنچ جاتا ہے، دوسرے : مسلمانوں اور اکثریتی فرقہ کے درمیان تعلقات میں ہم آہنگی باقی نہیں رہتی، نفرت کے جذبات اُبل پڑتے ہیں اور ایسے مقامات پر مسلمانوں ہی کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

☆ یہ بھی ضروری ہے کہ مسلم جماعتیں ایک دوسرے کے خلاف اُمیدوار کھڑا نہ کریں، جہاں ایک جماعت پہلے سے کامیاب ہوتی چلی آرہی ہے یا جہاں اس کی کامیابی کے امکانات روشن ہیں وہاں دوسری مسلم جماعتیں اپنا اُمیدوار کھڑا کرنے سے باز رہیں؛ بلکہ اسی جماعت کو تقویت پہنچائیں۔

☆ بظاہر مسلم جماعتوں کے نمائندوں کا معتد بہ تعداد میں پالیمنٹ تک پہنچنا دشوار نظر آتا ہے؛ لیکن کم

تعداد میں ہی سہی ان کی موجودگی کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان جماعتوں کے نمائندے اپنے ضمیر کی آواز پر اظہار خیال کر سکتے ہیں، ورنہ جو مسلمان سیکولر پارٹیوں کی نمائندگی کرتے ہیں، وہ اپنی پارٹی کے نقطۂ نظر سے ہٹ کر رائے نہیں دے سکتے؛ بلکہ یہ ایک کڑوی حقیقت ہے کہ اکثر اوقات ان کو اپنے ضمیر کو خواب آور گولی کھلانی پڑتی ہے، یہی وجہ ہے کہ گذشتہ یو پی اے حکومت میں پوٹا کے مماثل قانون پاس ہوا، رائٹ ٹو ایجوکیشن قانون پاس ہوا، قانون وقف ۲۰۱۰ء پاس ہوا؛ لیکن کانگریس کے کسی مسلمان ممبر کی زبان نہیں کھل سکی؛ اس لئے ایسے مسلمان نمائندوں کو ریاست اور مرکز کی سطح پر ایوان قانون میں موجود ہونا چاہئے جو اپنے ضمیر کی آواز پر اور ملی مفاد کی بنیاد پر اظہار خیال کر سکیں؛ مگر ظاہر ہے کہ ایسے نمائندہ کو اسی علاقہ میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، جہاں مسلم آبادی کا ارتکاز ہو، جیسے : آسام، کیرالہ، شہر حیدرآباد اور ملک کے مختلف علاقوں میں خاص خاص حلقہ ہائے انتخاب۔

☆ جہاں مسلمانوں کی کوئی سیاسی جماعت نہ ہو، فرقہ پرست جماعت کے مقابلہ کئی سیکولر جماعتیں ہوں، اور کسی جماعت نے مسلمان کو اُمیدوار بنایا ہو اور فرقہ پرست اُمیدوار کو شکست دے سکتا ہو تو اسے ترجیح دی جائے؛ کیوں کہ مرکزی اور ریاستی قانون ساز اداروں میں مسلمانوں کی تعداد ان کی آبادی کے لحاظ سے بہت ہی کم ہے، اور دن بہ دن کم ہوتی جارہی ہے، اکثریتی فرقہ کی سوچ بنتی جارہی ہے کہ مسلمانوں چاہے کسی پارٹی سے کھڑا ہو، اسے ووٹ نہ دیا جائے، ان حالات میں مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے مسلمان اُمیدوار کی مدد کریں، جس کے کامیاب ہونے کا امکان ہو، جو ادارے ملک وقوم کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہوں، وہاں مسلمانوں کی کوئی آواز باقی نہ رہے، اس بڑھ کر کوئی بات افسوس کی نہیں ہو سکتی۔

☆ جہاں مسلمان اُمیدوار نہ ہوں، یا ہوں؛ لیکن ان کے کامیاب ہونے کی توقع نہ ہو، وہاں دو باتوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے : ایک تو اس پارٹی کا منشور جس سے وہ کھڑا ہوا ہے؛ کیوں کہ موجودہ قانون میں وہپ (۱) جاری ہونے کے بعد ہر ممبر اپنی پارٹی کے نقطۂ مظہر کا پابند ہوتا ہے، دوسرے خود اس اُمیدوار کے شخصی حالات کو بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ اپنے علاقہ کے لوگوں کا کتنا بہتر نمائندہ ثابت ہو سکتا ہے۔

---

(۱) وہپ (Whip) قانون ساز مجلس یا پارلیمان کا وہ رکن جسے اس کی جماعت کی انتخابی کمیٹی نامزد کرتی ہے۔ اس کے فرائض میں اپنی جماعت کے اراکین کو اہم معاملات میں رائے شماری کے وقت حاضر رہنے کے متعلق یاد کرانا، ناگزیر حالات کی بنا پر غیر حاضر اراکین کے لیے جوڑوں ((Pairs) کا اہتمام کرنا، ان اراکین کو منانا جو جماعت کے پروگرام سے مطمئن نہ ہوں اور اپنی جماعت کے قائدین کو عوامی مسائل کے متعلق اراکین کے طرزِ عمل سے آگاہ کرنا شامل ہے۔

کیا ووٹ مذہب کی بنیاد پر دیا جائے؟

ہمارے ملک میں الیکشن مذہب کی بنیاد پر نہیں لڑا جاتا، انسانی بنیادیوں پر الیکشن لڑا جاتا ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو اس کا بہت کم موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ اسمبلی اور پالیمنٹ کے ممبر بنیں، اکثر حلقوں پر غیر مسلموں ہی کا قبضہ ہوتا ہے، لہذا جمہوری ملک میں الیکشن کے موقع پر مذہب پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی؛ بلکہ کارکردگی کو اصل معیار قرار دیا جاتا ہے، جس کی کارکردگی اچھی ہو، اس کو اپنا نمائندہ منتخب کیا جاتا ہے، چاہے اس کا مذہب ومسلک جو ہو، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں : اس جمہوری ملک میں ووٹ اسلام اور کفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جاتے ہیں اور نہ ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں، جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا، نفع پہونچائے گا، حقوق دلوائے گا، ظلم کو روکے گا، اس کو ووٹ دیا جائے، جس پارٹی کے متعلق یہ توقع ہو اس پارٹی کو ووٹ دیا جائے، جو لوگ خود مسلمان اور دین ومذہب کے پابند ہیں، وہ اگر نافع سمجھ کر کسی پارٹی کو یا کسی فرد کو ووٹ دیں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس پارٹی کے عقائد ونظریات سے بھی متفق ہیں۔(۱)

BJP کو ووٹ دینا کیسا ہے؟

کچھ لوگ مختلف نام نہاد سیکولر پارٹیوں کی طرف سے مسلمانوں کے استحصال کو دیکھتے ہوئے کہنے لگے ہیں کہ ایک بار پھر بی جے پی کا تجربہ کر لینے میں کیا حرج ہے؟ ۔مگر محض جذباتیت اور جوش بلا ہوش کی بات ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص آگ میں کودنے یا زہر کھانے کا تجربہ کرے، بی جے پی کا اقتدار نا آزمودہ نہیں ہے، جتنا پارٹی دور حکومت میں مسلمانوں نے اس کا طرز عمل دیکھا ہے اور اٹل بہاری واجپائی (جن کو بی جے پی کا سب سے زیادہ سیکولر لیڈر سمجھا جاتا تھا) کے اقتدار کا بھی مسلمانوں نے تجربہ کیا ہے، آج پولیس، فوج، یہاں تک کہ عدالتی ڈھانچہ میں بھی جو فرقہ پرست عناصر شامل ہیں، نیز تعلیم ومیڈیا کو زعفرانی رنگ میں رنگ دیا گیا ہے، یہ ان ہی حکومتوں کا کارنامہ ہے، پھر مسلمانوں نے اُتر پردیش میں کلیان سنگھ کی حکومت کو دیکھا ہے، جس میں عین دوپہر کے وقت کھلے عام بابری مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی اور انہوں نے گجرات میں مودی کی حکومت کا تجربہ بھی کیا ہے، جس میں مسلمانوں کا خون بہایا گیا اور کوئی دیکھاوے کے طور پر بھی ان کے آنسو پونچھنے کے لئے آگے نہیں بڑھا؛ اس لئے یہ تجربہ جانتے بوجھتے سانپ

(۱) فتاویٰ محمودیہ ۶ : ۶۱۸/، ۶۱۹، بحوالہ: ووٹ اور انتخابات، اہمیت اور ضرورت ۵۳ :

کے منہ میں اپنی انگلی ڈالنا ہے۔

ووٹ ڈالنے کے وقت خاص دھیان دیں

(۱) سب سے پہلے اِس بات کا یقین ہوجائے کہ اپنا نام ووٹر لسٹ میں درج ہے یا نہیں؟ نہ ہونے کی صورت میں جلد از جلد کارروائی شروع کی جائے، ورنہ ایک قیمتی ووٹ ضائع ہوسکتا ہے۔

(۲) ضروری کاغذات اپنے ساتھ لے جائیں، تاکہ بروقت کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

(۳) ایک دن پہلے ہی پولنگ اسٹیشن معلوم کرلیں، تاکہ جلد از جلد ووٹ سے فارغ ہوسکے۔

(۴) جتنا ہوسکے صبح کے وقت ہی میں ووٹ کے کام سے فارغ ہوجائیں، تاکہ بقیہ اوقات کو قیمتی بنایا جاسکے، سارا دن ووٹ کی فکر سوار نہ رہے، لائنوں اور قطاروں میں گھنٹوں کھڑے رہنے کی نوبت ہی نہ آئے۔

(۵) باہم مشورے سے خوب سوچ سمجھ کر ووٹ دیں، محض اپنے تعلقات، یا ذاتی فائدہ کے لیے یا غیر شرعی دباؤ سے متاثر ہوکر ہرگز ہرگز ووٹ نہ دیں۔

(۶) ووٹ ڈالنے میں احتیاط سے کام لیں. E. V. M مشین میں احتیاط سے بٹن دبائیں، غلط بٹن نہ دبے اس کا خاص خیال رکھیں ورنہ آپ کا ووٹ بیکار ہوجائے گا جو کہ بہت بڑا نقصان ہوگا۔

(۷) جس امیدوار یا پارٹی کے حالات یکساں ہوں تو پھر جس سے زیادہ فائدے کی امید، اور کم نقصان کا ڈر ہو اس کو ووٹ دیں۔

(۸) جس پارٹی اور امیدوار سے نقصان پہنچنے کا غالب اندیشہ ہو اس کو ووٹ نہ دیں۔

(۹) ووٹ ڈالنے کے بعد تذکرے، تبصرے اور ایک دوسرے پر طعن و تشنیع نہ کریں۔

(۱۰) جعلی ووٹ ڈالنے کی ہرگز کوشش نہ کریں؛ کیونکہ یہ شرعاً و قانوناً جرم ہے، جس کا نقصان دنیا و آخرت دونوں جہاں میں طے ہے۔

(۱۱) انتخابات کے بعد نتیجہ آنے تک اِس مسنون دعا کو کثرت سے پڑھتے رہیں۔

''اللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا''۔ اے اللہ! ہم پر ایسے شخص کو مسلط نہ فرما جو ہم پہ رحم نہ کرے۔(۱)

---

(۱) سنن النسائی، باب مایقول اذا جلس فی مجلس، رقم الحدیث: ۳۵۰۲

فصلِ چہارم

ووٹ اور شرعی مسائل

الیکشن میں امیدوار کی حیثیت

جب کوئی شخص انتخاب میں امیدوار بنتا ہے تو وہ بنیادی طور پر دو باتوں کا مدعی ہے، اول اپنی امانت و دیانت کا، دوسرے اپنی اہلیت اور صلاحیت کا، حضرت یوسفؑ نے جب حکومتِ مصر کے سامنے بار قیادت اٹھانے کی پیشکش کی تھی تو فرمایا تھا "اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَائِنِ الْاَرْضِ، اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ" (۱) یعنی خزانے کے انتظام اور انصرام پر مجھے مامور کیجئے کہ میں نگہبان اور آگاہ ہوں، حفاظت و نگہبانی اسی شخص سے ممکن ہے جو دیانت دار اور امین بھی ہو، جو شخص خود ہی خیانت اور بد دیانتی کا مرتکب ہو، وہ کیا حفاظت اور نگرانی کا فرض انجام دے سکتا ہے؟۔ اور علم سے اشارہ صلاحیت اور اہلیت کی طرف ہے، جب تک کسی معاملہ سے متعلق علم و آگاہی نہ ہو، انسان اس کے انتظام و انصرام اور اس سلسلہ میں مشورہ دینے کا اہل نہیں ہوسکتا، پس، امیدوار کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرنا اپنے تئیں امانت دار اور باصلاحیت ہونے کا دعویٰ ہے۔

ووٹ دینے والے کی حیثیت گواہ کی ہے

ووٹ رائے دہندوں کی طرف سے اس کے اس دعویٰ کی تصدیق اور اس کے راست گو ہونے کی گواہی ہے، گویا آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں، اس کے حق میں گواہی دیتے ہیں کہ جتنے امیدوار اس حلقے سے کھڑے ہیں، ان میں یہ سب سے زیادہ دیانت دار اور باصلاحیت ہے اور معلوم ہے کہ جہاں سچی گواہی انسان کے لئے اجر و ثواب کا موجب ہے، جھوٹی گواہی اسی قدر عذاب و عقاب کا سبب ہے، رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ اور جھوٹی گواہی کی سخت مذمت فرمائی ہے، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد تین بار ارشاد فرمایا کہ جھوٹی گواہی کو شرک کے ہم درجہ قرار دیا گیا ہے: "عدلت شهادة الزور بالا شراک بالله" پھر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ" (۲) یعنی بت پرستی کی نجاست اور جھوٹی بات کہنے سے بچو۔ (۳) اللہ تعالیٰ نے مومن کے خاص اوصاف میں سے اس بات کو بھی قرار دیا ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتا، (۴) لہٰذا کسی امیدوار کو دوسرے

---

(۱) یوسف ۵۵ :

(۲) الحج ۳۰:

(۳) ابوداؤد، حدیث نمبر ۳۵۹۹ :، ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۳۹۴ :

(۴) الفرقان ۷۲ :

امیدوار کے مقابلے نامناسب جانتے ہوئے پھر بھی اس کے حق میں ووٹ دینا گویا جھوٹی گواہی دینا اور ناحق اپنے آپ کو ایک بڑے گناہ سے دو چار کرنا ہے۔

ووٹ نہ دینے کا گناہ

جہاں جھوٹی گواہی دینا گناہ ہے، وہیں ضرورت کے باوجود گواہی نہ دینا ''کتمان شہادت'' ہے اور یہ بھی سخت گناہ ہے۔قرآن مجید نے گواہی کے چھپانے کی سخت مذمت کی ہے، ارشاد ہے : ''لا تَكْتُمُوْا الشَّهَادَةَ وَ مَنْ يَكْتُمْهَا فَاِنَّه اٰثِم قَلْبِه'' (۱) کہ گواہی کو چھپایا نہ کرو، جو گواہی کو چھپائے گا اس کا دل گناہگار ہوگا، اس لئے ہندوستان کے موجودہ حالات میں مسلمانوں پر ووٹ دینا شرعاً واجب ہے اور کسی شدید ضرورت کے پیش آنے یا ضرر شدید کے اندیشہ کے بغیر ووٹ دینے سے پہلوتہی کرنا گناہ کا باعث ہوسکتا ہے اور عند اللہ اس پر سخت مواخذہ کا اندیشہ ہے۔

ووٹ نہ دینا گناہِ کبیرہ ہے

مفتی اعظم مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: سچی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے، اس لئے آپ کے حلقۂ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل اور دیانت دار نمائندہ کھڑا ہو تو اس کو ووٹ دینے میں کوتاہی کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔'' (۲)

ووٹ نہ دینا حرام ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں : شرعی نقطۂ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے، اور جس طرح جھوٹی گواہی دینا حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے : اور تم گواہی کو مت چھپاؤ، اور یہ جو شخص گواہی کو چھپائے، اس کا دل گناہ گار ہے۔ (۳) جس کسی کو شہادت کے لیے بلایا جائے، پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا جیسا جھوٹی گواہی دینے والا ۔ (۴)

---

(۱) البقرۃ: ۲۸۳

(۲) اسلام اور سیاست: ۲۴۳

(۳) البقرہ ۲۸۳ :

(۴) المعجم الاوسط : حدیث ۴۱۶۷

ووٹ دینا فرض ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں : ووٹ بھی بلا شبہ ایک شہادت ہے، قرآن وسنت کے یہ تمام احکامات بھی اس پر جاری ہوتے ہیں، لہذا ووٹ کو محفوظ رکھنا دینداری کا تقاضہ نہیں، اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔(۱)

پیسہ لیکر ووٹ دینے کا گناہ

بعض حضرات پیسے لے کر کسی امیدوار کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کرتے ہیں، یہ بھی حرام ہے، کیونکہ یہ پیسے لے کر کسی شخص کے حق میں جھوٹی گواہی دینا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ رشوت ہے اور رشوت کتنا سخت گناہ ہے اور کیسی سخت معصیت ہے؟ یہ کسی مسلمان کے لیے محتاج اظہار نہیں، رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور لینے والے پر لعنت بھیجی ہے، ایک حدیث شریف میں ہے کہ رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں دوزخی ہیں، چند پیسوں کے لیے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی لعنت کا مستحق بنا لیا اور دوزخ خریدنا کسی عقلمند کا کام نہیں ہوسکتا۔

معلوم ہوا کہ رشوت دے کر یا لے کر ووٹ کا استعمال کرنا ناجائز ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی ہلاکت کی طرف بھی لے جانے والا ہے، اس لیے الیکشن کے موقع ووٹ کے بدلہ کسی بھی طرح کے لین دین سے کلی اجتناب کیا جائے۔

یہ عام رواج ہے کہ بعض شہروں میں اور دیہاتوں میں پیسہ لے کر ووٹ دیا جاتا ہے اور جو جتنے پیسے بڑھ کر دیتا ہے، اس پارٹی یا اس امیدوار کو ووٹ دیا جاتا ہے، ایسا کرنا شریعت کی نگاہ میں حرام ہے، چنانچہ حضرت مولانا مہربان علی صاحبؒ اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں : رائے دینے والوں پر فرض ہے کہ وہ اس شخص کو رائے دیں جو نیک، سمجھ دار اور ملک وقوم کا خیر خواہ ہو، روپیہ لے کر غیر مستحق کو ووٹ دینا حرام ہے، ملک وقوم کی خیانت اور غداری ہے اور مستحق کو پیسہ لے کر رائے دینا رشوت ہے؛ اگر مستحق کو رائے دینے والا پیسہ نہ مانگے اور وہ خود دے تو مباح ہوسکتا ہے؛ لیکن غیر مستحق کو رائے دینا کسی بھی طرح حلال نہیں ۔

---

(۱) فقہی مقالات ۲ :/ ۲۹۰

ووٹ کے بدلہ معاوضہ لینا قوم سے بغاوت ہے

مال لے کر یا کسی طرح کی ساز باز کر کے یا پھر کوئی معاوضہ کا مطالبہ کر کے یا وقتی مفادات کی بنیاد پر کسی کو ووٹ دینا درست نہیں، یہ قوم کے ساتھ بغاوت ہے اور اپنے مذہب کے ساتھ بھی غداری ہے، اسی بات کو فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ یوں تحریر فرماتے ہیں: ووٹ کو پیسوں کے معاوضے میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے۔

انتخابات کے شروع ہوتے ہی غریب عوام جو مہنگائی، غربت، بے روزگاری کی ماری ہوئی ہے، اور مفاد پرست اشخاص اس وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے لیڈروں، پارٹیوں اور ان کے دلالوں سے کچھ وصول کرنے کے لئے دوڑیں لگانے لگ جاتے ہیں۔نوکریوں کے حصول اور آلو پیاز کی فکر میں بے حسی، مفاد پرستی اور ضمیر کی کمزوری بلکہ ضمیر فروشی کا ثبوت دیتے ہوئے اور ملک کی بقاء کو داؤ پر لگاتے ہوئے اپنی عزت نفس اور اپنے بڑوں کے ناموس کو پس پشت ڈال کر یہ سوداگر چھوٹے بڑے بیوپاریوں کے دروازے کھٹکھٹانے لگ جاتے ہیں۔

ووٹ کے بدلہ پیسہ لینا سود ہے

حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی مدظلہ العالی فرماتے ہیں حدیث رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی شخص کی سفارش کی اور اس نے اس پر اس کو ہدیہ دیا، وہ اس نے قبول کر لیا تو وہ سود کے دروازوں سے ایک بڑے دروازہ میں داخل ہو گیا‘‘(۱)

معلوم ہوا کہ سفارش پر ہدیہ سود کے حکم میں ہے؛ بلکہ انتہائی قبیح صورت ہے... لہٰذا کسی مسلمان کو اپنا ووٹ بیچنا نہیں چاہئے، ہوسکتا ہے کہ اس سے کسی کی دنیا بن جائے مگر بیچنے والے کی آخرت تباہ ہو جائے گی، یہ کون سی عقلمندی ہے کہ دوسروں کی دنیا سنوارنے کے لئے اپنی آخرت برباد کرنے تیار ہو جائے، اور وہ بھی چند معمولی حقیر و حقیر ٹکوں کے عوض میں، ظاہر ہے کہ یہ عقلمندی نہیں، بل کہ بے وقوفی ہے۔(۲)

---

(۱) ابوداؤد: ۲/۴۹۹

(۲) نفائس الفقہ: ۵/۳۰۷

ووٹ دینے والے کی حیثیت سفارشی کی ہے

ووٹ میں شفاعت وسفارش کا پہلو بھی پایا جاتا ہے، جب آپ کسی کو ووٹ دیتے ہیں تو گویا اس کے حق میں سفارش کرتے ہیں کہ اسے قوم وملک کے انتظامی امور میں نمائندہ بنایا جائے اور شفاعت وسفارش اگر درست ہو تو باعث اجر وثواب ہے اور غلط سفارش کی جائے تو سفارش کنندہ بھی گناہ میں حصہ دار ہوگا؛ چناچہ اللہ کا ارشاد ہے کہ جو بہتر سفارش کرے گا، اس کے لیے اس میں سے حصہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ مَّنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّه نَصِيبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّه كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّقِيْتًا(۱) غلط سفارش کا اندازہ اس سے کیجیے کہ حضرت اسامہؓ نے چوری کے ایک مقدمے میں مجرم کے لیے سفارش کی، تو آپ ﷺ اتنے برہم ہوئے کہ کھڑے ہو کر اس پر مشتمل خطبہ ارشاد فرمایا کہ: تم سے پہلے کے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور کوئی معمولی شخص چوری کرتا تو اس پر سزا جاری کرتے، (۲) اس لئے غلط سفارش بھی نہایت ہی مذموم عمل ہے اور چونکہ ووٹ کے ذریعہ منتخب ہونے والے نمائندہ کے عمل سے اجتماعی نفع ونقصان متعلق ہے، اس لیے یہاں غلط سفارش کا گناہ بھی نسبتاً زیادہ شدید ہوگا۔

ووٹ دینے والے کی حیثیت وکیل کی ہے

ووٹ میں ایک پہلو وکالت کا بھی ہے، ووٹ کے ذریعہ آپ جو نمائندہ منتخب کرتے ہیں وہی سربراہ حکومت یعنی وزیر اعظم و وزیر اعلیٰ اور صدر مملکت یعنی صدرِ جمہوریہ کا انتخاب کرتے ہیں، پھر وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ ہی کے واسطہ سے ملک کی پوری انتظامیہ تشکیل پاتی ہے اور عدلیہ اور انتظام کے کچھ عہدے صدر کے واسطے سے وجود میں آتے ہیں، اس طرح ملک کا نظم ونسق اور نظام عدلیہ کا بالواسطہ آپ کے ووٹوں سے منتخب ہونے والے ارکان مقننہ ہی پر انحصار ہے، پس گویا ملک کے نظم واقتدار کے لیے ذمہ داروں کے انتخاب کے باب میں یہی ارکان آپ کے نمائندہ اور وکیل ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ شرعاً وکیل کے ذریعہ انجام پانے والے افعال اس شخص کی طرف بھی منسوب ہوتے ہیں جس نے اس کو وکیل بنایا ہو، اس لحاظ سے غور کیجیے تو کسی امیدوار کو ووٹ دینا نہایت ہی اہم مسئلہ ہے اور یہ اس کے اچھے اور برے افعال میں شریک وسہیم

(۱) النساء ۸۵:

(۲) ابوداؤد، حدیث نمبر ۴۳۷۳ :

ہونے کے مترادف ہے۔

ووٹ دینے والے کی حیثیت امین کی ہے

ووٹ امانت ہے اور اس کا صحیح استعمال اسلامی فریضہ ہے۔اس اسلامی ذمہ داری کو مفاد پرستی، سڑکوں، گلی کوچوں، کھمبوں، ٹرانسفارموں اور آلو پیاز کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے،۔اگر ووٹ کا استعمال اسلامی فریضہ کی بجائے اپنے ذاتی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جاتا رہا تو خدا نہ کرے یہ ملک ہی باقی نہ رہے گا، جس طرح الیکشن کمیشن کی ذمہ داری ہے کہ وہ انتخابات کو صاف شفاف رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے تو ساتھ ساتھ امیدواروں کے صاف شفاف ہونے کی ذمہ داری کا احساس بھی پوری تندہی سے ادا کرے، مولانا مفتی محمد شفیع ؒ نے معارف القرآن جلد دوم آیت "أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا" کے متعلق لکھا ہے : آیت کا نزول اگرچہ ایک خاص واقعہ میں ہے، لیکن حکم عام جس کی پابندی پوری امت کے لئے ضروری ہے۔ "إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا" یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہنچایا کرو (اسی طرح ووٹ بھی ایک شہادت اور امانت ہے) جس کے ہاتھ میں کوئی امانت ہے، اس پر لازم ہے کہ یہ امانت اس کے اہل و مستحق کو پہنچادے۔حکومت کے مناصب (عہدے) جتنے بھی ہیں، وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ عزل ونصب کے اختیارات ہیں، ان کے لئے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کیلئے اپنے دائرۂ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے : جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کردی گئی جو اس کے اہل نہیں تو (اب فساد کا کوئی علاج نہیں) قیامت کا انتظار کرو، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے، ثواب بھی محدود، عذاب بھی محدود، لیکن قومی اور ملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے۔(۱)

(۱) جمادی الاولی والاخری 1434ھ، مطابق اپریل، مئی 2013ء

ووٹ اور مشورہ

ووٹ کی حیثیت مشورہ کی ہے کہ ووٹ دینے والے سے حکومت اور اس کے نظم ونسق کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کرے کہ کون زیادہ بہتر امیدوار ہوسکتا ہے جو اپنی ذمہ داری کو دیانت داری کے ساتھ انجام دے ۔اور ٹھیک ٹھیک مشورہ دینا امانت ہے،اور اس میں خیانت سے کام لینا گناہ ہے۔

''قال رسول اللہ ﷺ :المستشار مؤتمن''۔

ملک کی ترقی میں رکاوٹ ووٹ نہ ڈالنے والے ہیں

ملک کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بننے والے وہ شریف اور امیر لوگ بھی ہیں جو ووٹ ڈالنے کے لیے راستوں اور گلیوں میں قطار لگانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں،امیر کو اپنے مال و دولت پر ناز ہوتا ہے، اور شریف کو اپنی شرافت کھو دینے کا کھٹکا لگا رہتا ہے؛ جس کی وجہ سے پورا میدان نااہلوں،فتنہ پردازوں، دغابازوں،جھوٹے مکاروں اور دنیاداروں کے لیے خالی ہوجاتا ہے،اور ایسی صورت میں کبھی بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ حکومت نیک اور اہل لوگوں کے ہاتھ میں آئیگی۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ سمجھ کر ووٹ دینے سے پیچھے رہتے ہیں کہ آج کل بہت سے ووٹ جعلی بھی ڈالے جاتے ہیں، جبکہ بلاتحقیق اس طرح کا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا،اور محض جعلی کا بہانہ بنا کر گھروں میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا ایک طرح کی غفلت،لاپرواہی اور غیر ذمہ دارانہ کام ہے۔

ووٹ سیاسی بیعت ہے

ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی ہے۔مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتھم لکھتے ہیں کہ اگر مسلم ملک ہو تو ان سب کے علاوہ ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی ہے کہ وہ ووٹ کے ذریعے متعلقہ امیدوار کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اس کی طرف سے سربراہِ مملکت کا انتخاب کرے۔(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ نیک،متدین اور اہل آدمی کو ووٹ دینا سچی شہادت،اچھی سفارش، جائز وکالت اور صحیح مشورہ ہے،اور باعثِ اجروثواب بھی ہے،اور ملک کی تعمیر وترقی پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔

اسی طرح فاسق،خائن اور نااہل آدمی کو ووٹ دینا جھوٹی گواہی،بری سفارش،ناجائز وکالت اور غلط مشورہ

---

(۱) جدید فقہی مسائل،۱/۴۳۹

ہے، جس کے تباہ کن نتائج ملک کے سارے لوگوں کو بھگتنے پڑتے ہیں، اور ان ساری تباہیوں کا ذمہ دار خود ووٹر ہوتا ہے۔

ووٹ دینا قومی فریضہ ہے

ووٹ دینا اور اپنے حق رائے سے استفادہ کرنا جہاں قومی فریضہ ہے، وہیں مسلمانوں کے لیے مذہبی فریضہ بھی ہے اور ووٹ نہ دینا ایک اجتماعی ملی فریضہ سے غفلت برتنا ہے، بالخصوص موجودہ صورت حال میں جبکہ فرقہ پرستی کے سب سے بڑے مبلغ و داعی نے تخت اقتدار پر اپنا تسلط جمانے کے لئے ہلہ بول رکھا ہے، اس حق کا استعمال ہر مرد وعورت کے لیے ضروری ہے؛ تاکہ ایسے نمائندوں کا انتخاب ہو سکے جو نسبتاً صالح کردار اور اخلاقی اقتدار کے حامل ہوں، جو مجرمانہ سیاست اور فرقہ ہرستی پر یقین نہ رکھتے ہوں اور ملک کے سیکولر کردار کی بابت مخلص ہوں، وہ چڑھتے سورج کے پرستار نہ ہوں؛ بلکہ حق اور سچائی کے طرف دار ہوں، موجودہ حالات میں مکمل ایمان دار اور پاک وصاف کردار کے حامل سیاسی لیڈر کی تلاش جوئے شیر لانے سے کم نہیں، شریعت کا اصول ہے کہ جہاں ''بہتر'' میسر نہ ہو، وہاں نسبتاً ''کم خراب'' کو اختیار کیا جائے، اس لیے موجودہ حالات میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ایسے امیدوار کو ووٹ دیا جائے، جو ملک کی مختلف اکائیوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہو، فرقہ پرست نہ ہو اور نسبتاً صالح کردار کا حامل ہو، وہ کم از کم دو شر میں سے کمتر درجہ کا شر ہو۔

بہت سے لوگ دین کو صرف نماز، روزے کی حد تک محدود سمجھتے ہیں؛ اس لیے ووٹنگ کو خالص دنیوی معاملہ سمجھ کر ووٹ کو ضائع کرتے ہیں، سرے سے ووٹ کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، اگر کسی طرح ان کے ووٹ بن جاتے ہیں تو انتخابات کے موقع پر کسی بھی امیدوار کے حق میں ووٹ استعمال کرنے میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے، اور نہ اس کے اچھے اور برے نتائج سے باخبر ہوتے، جبکہ ووٹ ہمارے لیے بحیثیت مسلمان ہونے کے مذہبی ذمہ داری ہے۔

بعض لوگ اِس کو ہار جیت کا کھیل سمجھ کر ووٹ دیتے ہیں اور لیتے ہیں، جبکہ ووٹ کی ایک حیثیت گواہی کی ہے، گواہی چھپانا اور جھوٹی گواہی دینا حرام ہے۔

لاکھوں ووٹوں میں میرے ووٹ کا کیا اعتبار؟

☆ مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں: بعض لوگ یہ بھی سوچتے ہیں کہ لاکھوں ووٹوں کے مقابلہ میں ایک شخص کے ووٹ کی کیا حیثیت ہے؛ اگر وہ غلط استعمال ہو بھی جائے تو ملک وقوم کے

مستقبل پر کیا اثر ہوسکتا ہے؟

لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ اول تو ہر شخص ووٹ ڈالتے وقت یہی سوچنے لگے تو پوری آبادی میں کوئی ایک ووٹ بھی صحیح استعمال نہیں ہوسکے گا، پھر دوسری بات یہ ہے کہ ووٹوں کی گنتی کا جو نظام ہمارے یہاں رائج ہے، اس میں صرف ایک ان پڑھ، جاہل شخص کا ووٹ بھی ملک وملت کے لیے فیصلہ کن ثابت ہوسکتا ہے؛ اگر ایک بے دین، بدعقیدہ اور بد کردار کے بیلٹ بکس میں صرف ایک ووٹ دوسروں سے زیادہ چلا جائے تو وہ کامیاب ہو کر پوری قوم پر مسلط ہو جائے گا، اسی طرح بعض اوقات صرف ایک جاہل اور ان پڑھ انسان کی معمولی غفلت، بھول چوک یا بددیانتی بھی پورے ملک کو تباہ کرسکتی ہے، اس لیے مروجہ نظام میں ایک ایک ووٹ قیمتی ہے اور یہ ہر فرد کا شرعی، اخلاقی، قومی اور ملی فریضہ ہے کہ وہ اپنے ووٹ کو اتنی ہی توجہ اور اہمیت کے ساتھ استعمال کرے، جس کا وہ فی الواقع مستحق ہے۔(۱)

☆ بعض حضرات یہ بھی سوچتے ہیں کہ اگر نااہل کو ووٹ دینا گناہ ہے تو ہم کون سے پاکباز ہیں؟ ہم صبح سے لے کر شام تک بے شمار گناہوں میں ملوث رہتے ہیں، اگر اپنے گناہوں کی طویل فہرست میں ایک اور گناہ کا اضافہ ہو جائے تو کیا حرج ہے؟ لیکن خوب سمجھ لیجیے کہ یہ نفس وشیطان کا سب سے بڑا دھوکہ ہے، اول تو انسان اگر ہر گناہ کے ارتکاب کے وقت یہی سوچا کرے تو وہ کبھی کسی گناہ سے نہیں بچ سکتا، اگر کوئی شخص تھوڑی سی گندگی میں ملوث ہو جائے تو اس کو اس سے پاک ہونے کی فکر کرنی چاہیے نہ کہ وہ غلاظت کے کسی تالاب میں چھلانگ لگا دے۔

☆ بعض لوگ لمبی قطاروں میں کھڑے ہونے کے لیے وقت نہ ہونے کا بہانہ بناتے ہیں، جبکہ یہ پورے دن گھر میں خالی بیٹھے رہتے ہیں، کچھ لوگ تو چھٹی کے بہانے تفریحات کے لیے نکل جاتے ہیں، اور سارا کا سارا دن کھیل کی نذر ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سب حماقتیں ووٹنگ کی اہمیت نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

ایک ووٹ کی کتنی قیمت ہوتی ہے چند مثالوں سے اندازہ کریں

☆ جو افراد آزادی کے بعد کی تاریخ سے ذرا بھی واقفیت رکھتے ہیں، انہیں معلوم ہوگا کہ محض ایک ووٹ کی بنیاد پر آج پورے ملک میں 'اردو زبان' کی حالت دگرگوں ہے۔ اگر پارلیمنٹ میں ہندی اور اردو دونوں زبانوں کی ووٹنگ برابر ہونے کے بعد ایک ووٹ اردو کو ملا ہوتا تو اردو زبان کی مٹھاس اور چاشنی

(۱) فقہی مقالات ۲: ۲۹۵/

بڑھ جاتی اور ملک کے تمام دفاتر میں رواج ہونے کے باعث تمام قومیں اسی طرح اردو میں کامیابی و کامرانی کا علم بلند کر رہی ہوتیں۔

☆اور یاد کریں سابق وزیر اعظم آں جہانی اٹل بہاری واجپئی کے محض ایک ووٹ کم رہنے کے سبب سب کے پسندیدہ لیڈر اور معتدل مزاج شخصیت ہونے کے باوجود ان کی حکومت گر گئی تھی۔

☆ 2004ء کے کرناٹک اسمبلی انتخابات میں اسمبلی حلقہ Santhemarahalli سے جے ڈی ایس (جنتا دل) کی جانب سے اے آر کرشنا مورتی تھے اور مقابل میں دُھروا نارائنا بی جے پی کی طرف سے تھے، کرشنا مورتی کو 40,751 کو ووٹ ملے جبکہ صرف ایک ووٹ کی زیادتی سے نارائنا اسمبلی سیٹ جیت گئے، انہیں 40,752 لوگوں نے ووٹ ڈالا تھا۔

☆چندر پرکاش جوشی (سی پی جوشی) سابق لوک سبھا ممبر اور حالیہ راجستھان اسمبلی کے اسپیکر ہیں، پرانے سیاست دان ہیں، 2003 میں انہیں راجستھان کانگریس کا ریاستی صدر بنایا گیا، کڑی محنت کی اور 2008 کے اسمبلی الیکشن میں بی جے پی سے اقتدار چھینا جس کے نتیجہ میں کانگریس نے وہاں اپنی حکومت بنائی۔

☆ناتھ دُوارا Nathdwara راجستھان کا ایک اسمبلی حلقہ ہے، 2008 میں جوشی نے یہاں سے الیکشن لڑا مقابل میں بی جے پی کی جانب سے کلیان سنگھ چوہان تھے، جب نتائج آئے تو پتہ چلا جوشی صرف ایک ووٹ سے ہار گئے، چوہان کو 62,216 اور جوشی 62,215 ووٹ ملے تھے۔

☆ 1998ء میں بی جے پی نے ملک کی 20 حلیف جماعتوں کے تعاون سے مرکز میں اقتدار بنایا تھا، واجپائی وزیر اعظم تھے، اگلے سال 1999 میں اپوزیشن نے عدم اعتماد تحریک چلائی اور یہ دعویٰ کیا کہ پارلیمنٹ میں اب اکثریت بی جے پی اور اس کی حلیف جماعتوں کی نہیں رہی، ایسے موقع پر اراکین پارلیمنٹ کے درمیان ووٹنگ کی جاتی ہے، جب ووٹنگ ہوئی تو ٹامل ناڈو کی ریاستی سیاسی پارٹی AIADMK نے جو پہلے بی جے پی کی حلیف تھی اب اس کے خلاف ووٹ ڈالا، اس ایک ووٹ کے نتیجہ میں اکثریت باقی نہیں رہی، صدر جمہوریہ کے آر نارائنا نے لوک سبھا تحلیل کر دی اور ملک میں دوبارہ انتخابات کروائے گئے، یہ الگ بات کہ دوبارہ بی جے پی نے ہی حکومت بنائی۔

☆میونسپل کارپوریشن کے انتخابات میں بھی ایک ووٹ سے ہار جیت کے فیصلوں کی دو مثالیں ممبئی اور موہالی کی نظر گذری ہے، حال ہی میں (۲۰۲۳ء میں) ہوئے کرناٹک اسمبلی انتخابات میں چار جگہوں پر ہارنے والا تین سو سے کم ووٹس کے فرق سے ہارا ہے، پندرہ سیٹوں پر فیصلہ ایک ہزار سے تین ہزار ووٹس کے

فرق سے اور کل ملا کر اکتالیس مقامات پر ہار جیت کا فرق پانچ ہزار سے کم بھی ووٹس کا رہا ہے۔(۱)

ایک بادشاہ کا واقعہ

کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اعلان کیا تھا کہ سب لوگ ایک ایک لوٹا دودھ لا کر ٹنکی میں ڈالیں، سب نے یہی خیال کیا کہ میرے ایک آدمی کے پانی ڈالنے سے کیا فرق پڑے گا، بالآخر جب دوسرے دن دیکھا گیا تو صرف پانی ہی پانی تھا، ہر شخص یہی سوچ کر پانی ڈالنے لگا، اگر ہر شخص ہی سوچے کہ میرے ایک ووٹ سے کیا فرق پڑے گا؟ تو یہی عالم ہوگا کہ ظالم طاقتوں کو مزید موقع ملے گا، یہ بات یاد رکھیں اب تک بھی ظالم طاقتوں کو دندنانے کا جو موقع ملا ہے وہ ہمارے ووٹ ڈالنے کی وجہ سے نہیں، بلکہ ووٹ نہ ڈالنے کی وجہ سے ہے، ظالم طاقتیں جہاں ووٹ تقسیم کرنے کی کوشش کرتی ہیں وہیں ووٹ سے غافل کرنے کی کوشش بھی کرتی ہیں۔

خواتین بھی ووٹ دینے کی مکلف ہیں

ہمارے ملک کے قانون کے تحت عورتوں کو بھی ووٹ دینے کا حق حاصل ہے، مسلمان خواتین کو بھی چاہیے کو وہ اپنے اس جمہوری حق سے فائدہ اٹھائیں، اسلامی نقطہ نظر سے عورت الیکشن میں امیدوار نہیں ہوسکتی؛ البتہ اگر ہندوستان میں خواتین کے لئے سیٹیں مخصوص کردی جائیں تو یہاں کے خصوصی حالات میں اس کے سوا چارہ نہ ہوگا کہ اگر مسلمان اس قانون کے روکنے پر قادر نہ ہوں تو کمتر درجے کی برائی سمجھتے ہوئے خواتین کو بھی انتخابی امیدوار بنائیں۔تاہم عورت کے ووٹ دینے میں کچھ حرج نہیں اس پر اتفاق ہے۔

نوٹ: خواتین کو ووٹ کا حق دینے کی روایت بہت پرانی نہیں ہے۔امریکہ میں 1920، ناروے میں 1913، برطانیہ میں 1918 میں خواتین کو ووٹ کا حق دیا گیا یہاں پر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مرد ووٹروں اور عورتوں کی عمر میں فرق رکھا گیا کہ مرد تو 21 سال کی عمر میں ووٹ کا حق استعمال کرسکتا تھا مگر عورت کے لئے عمر کی حد 30 سال رکھی گئی۔سوئٹزرلینڈ جیسے ملک میں 1970 سے پہلے عورت کو ووٹ کا حق نہیں تھا۔کویت میں یہ حق 1990 میں دیا گیا۔ابھی بھی دنیا کے کچھ ممالک میں خواتین بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنے ووٹ کے حق سے محروم ہیں۔اسلام میں رائے دہی کا حق عورت کو پہلے سے ہی حاصل ہے، مگر الزام اسلام پر لگایا جاتا ہے کہ عورت کو آزادی نہیں دی جاتی جبکہ اسلام عورت کی گواہی روزِ اول سے تسلیم کرتا ہے۔

(۱) ازقلم: مفتی محمد نوید سیف حسامی ایڈووکیٹ، کریم نگر، تلنگانہ

دوران عدت معتدہ کا ووٹ دینا

دوران عدت معتدہ (عدت والی عورت) پر عدت کے احکامات واجب ہوجاتے ہیں اور اس کے لیے سخت ضرورت شرعی کے علاوہ گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ ووٹ دینے کی حیثیت بعض علماء کے نزدیک واجب وفرض کی ہے، لہذا عدت کے دوران ووٹ دینے کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت ہے۔

ووٹ اور چند شرعی مسائل

☆ ایک سے زائد ووٹ یعنی بوگس ووٹ ڈالنا ناجائز وحرام ہے۔

☆ نااہل شخص کا ووٹ ڈالنے کے لئے جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے۔

☆ ووٹ ڈالنے سے والدین کو منع کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ بیوی کو ووٹ ڈالنے سے شوہر کا منع کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ ووٹ کی قیمت لے کر مسجد میں رقم لگانا حرام وگناہِ عظیم ہے۔

☆ نااہل کو ووٹ دینے کا وعدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ فرقہ پرست واسلام دشمن پارٹیوں کو ووٹ دینا حرام ہے۔

☆ خاندانی، علاقائی، مذہبی، ہم پیشہ کی وجہ سے ووٹ کو تقسیم کردینا جس سے دشمن جیت جائے جائز نہیں ہے۔

☆ ووٹنگ کا دن معلوم ومتعین ہوجانے کے باوجود ووٹ ڈالے بغیر ایسے کام کے لئے سفر کرنا جو بعد میں بھی ہوسکتا ہے جائز نہیں ہے۔ حتی کہ کسی دینی تقاضے پر جانا بھی درست نہیں ہے۔

☆ حالتِ اعتکاف میں بھی ووٹ ڈالنے کا اہتمام کیا جائے۔

☆ ووٹ ڈالنے کے بعد ناخن پر لگائی جانے والی سیاہی سے وضو اور غسل درست ہوجاتا ہے۔

☆ مریض اگر بسہولت پولنگ بوتھ تک آسکتا ہو تو ضرور ووٹ ڈالنا چاہیئے۔

☆ بوڑھے شیخ فانی کو گھر سے ووٹ ڈالنے کی سہولت سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

☆ بیرون ملک سے ملک میں آنے کا نظام ووٹنگ کے دنوں میں بنالینا عقلمندی ہے۔

☆ ووٹنگ کے لئے آفس، اسکول، کالج، مدرسہ اور کمپنی سے چھٹی ملنے کے بعد بھی ووٹ ڈالے بغیر تفریح کا دن بنانا جائز نہیں ہے۔

☆ مسجد ومدرسہ والوں کا اپنے اہلِ محلہ ومتعلقین کے ووٹر ائی ڈی بنوانے کے لئے جگہ دینے سے منع کردینا ملک وملّت سے بغاوت ونادانی ہے۔

فصلِ پنجم

اسباب اور مسبب الاسباب دونوں اپنائیں

کیا ہم صرف دعا مانگتے رہیں یا محنت بھی کرتے رہیں؟

بلا شبہ اسلام میں دعاؤں کی بہت زیادہ اہمیت و فضیلت ہے، خود نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب خوب دعائیں کرتے تھے، نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر بہت طویل و لمبی دعا کی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کے پاس آ کر فرمایا: اتنی دعا کافی ہے۔اب بس کیجیے۔اور میں بھی دعاؤں کا منکر نہیں ہوں۔لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مسائل صرف اور صرف دعاؤں سے حل ہو جائیں گے۔ یا اس کے لیے دعاؤں کے ساتھ دوا اور عمل کی بھی ضرورت ہے؟ کوئی بھی مسئلہ صرف اور صرف دعاؤں سے حل نہیں ہوتا ہے۔دعا کے ساتھ دوا اور عمل بھی ضروری ہے، اللہ و اس کے رسول ﷺ نے خود جہاد کا حکم دیا ہے، اللہ نے کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو ظالموں کے ظلم سے نجات دلانے کے لیے جہاد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

و ما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ و المستضعفین من الرجال و النساء و الولدان الذین یقولون ربنا أخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم أھلھا و اجعل لنا من لدنک ولیا و اجعل لنا من لدنک نصیر۔(۱)

تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ اور کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جنگ نہیں کر رہے ہو جو دعائیں کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔

اس آیت میں اللہ رب العالمین نے کمزورں کی مدد اور ان کو ظالموں سے نجات اور رہائی کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ جہاد ہے۔اور اس وقت جہاد کی ایک شکل ووٹ بھی ہے۔

اگر صرف دعاؤں سے مسائل حل ہو جاتے تو اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو دعوت و تبلیغ کرنے کا حکم کیوں دیا؟۔

اگر صرف دعاؤں سے مسائل حل ہوتے تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو میدانِ کارزار کی دعوت کیوں دی؟

اگر صرف دعاؤں سے مسائل حل ہوتے تو نبی کریم ﷺ میدان جہاد میں خود کیوں شریک ہوئے، زخمی ہوئے، تکلیفیں اٹھائیں۔

اگر صرف دعاؤں سے مسائل حل ہوتے تو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کل تقریبا ۸۰/غزوات و سرایا کیوں ہوئے؟ آخر آپ نے یہ سب کیوں کیا؟ آپ ﷺ تو آخری اور سب سے افضل رسول و نبی تھے۔

---

(۱) النساء ۷۵:

آپ ﷺ صرف دعا سے کام چلا سکتے تھے۔لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔

اگر صرف دعاؤں سے مسائل حل ہوتے تو نبی کریم ﷺ میدان جہاد میں خود کیوں شریک ہوئے، زخمی ہوئے، تکلیفیں اٹھائیں؟۔

اگر صرف دعاؤں سے مسائل حل ہوتے تو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ نے ربیع الاول ۱۱ھ میں خلافت سنبھالنے کے بعد ارتداد کا عظیم خطرہ کا کس طرح مقابلہ کیا؟ کیا انھوں نے صرف دعاؤں کا سہارا لیا؟۔

اگر صرف دعاؤں سے مسائل حل ہوتے تو کتنے صحابہ کرام اور مسلمان میدان جنگ میں شہید ہوئے؟ صرف جنگ قادسیہ میں ۸ ر ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

اگر صرف دعاؤں سے مسائل حل ہوتے تو مسلمان حکمرانوں خصوصا نورالدین زنگی، عماد الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کو ملک شام سے نکالنے، ان کی سلطنتوں کا خاتمہ کرنے اور بیت المقدس کو آزاد کرانے کے لیے کیا صرف دعاؤں پر کفایت کی؟

اگر صرف دعاؤں سے مسائل حل ہوتے تو عثمانی حکومت نے مسلمانوں، مقامات مقدسہ کی حفاظت اور یورپ میں اسلام کی نشر واشاعت کے لیے کیا صرف دعاؤں کا سہارا لیا؟

اگر صرف دعاؤں سے مسائل حل ہوتے تو وہ عثمانی حاکم جس نے ۸۵۷ھ میں قسطنطنیہ کو فتح کر کے ایک شاندار تاریخ رقم کی اور نبی کی بشارت کا مستحق ہوا وہ کوئی اور نہیں محمد الفاتح تھا۔کیا اس نے قسطنطنیہ دعاؤں سے فتح کیا تھا؟

اگر صرف دعاؤں سے مسائل حل ہوتے تو تاریخ میں مذکور ہے کہ جب سمرقند پر تاتاریوں کا حملہ ہوا تو وہاں کے صوفیوں نے کہا کہ چلو مسجد میں بیٹھ کر اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں۔جس کے نتیجہ میں سب کے سب کیوں قتل کر دیے گئے؟۔کیا یہی حالت اور رویہ اس امت کا آج کے دور میں نہیں ہے؟

آپ ﷺ کی دعا کی قبولیت میں کسی بھی مسلمان کو ادنی شک نہیں ہے۔آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام سب سے زیادہ مستجاب الدعوات تھے، اپنی دعا سے مسلمانوں کے تمام مسائل و پریشانیاں سکنڈوں میں دور ہوسکتی تھیں، لیکن آپ ﷺ کی سیرت اور تاریخ اسلامی میں ایسا کبھی نہیں ہوا ہے۔اور نہ ہی آئندہ ہوگا۔اس لئے نہ دعا کی تحقیر ہو اور نہ ہی تدبیر کی تحقیر ہو، دونوں جماعتیں (دعا والی اور تدبیر والی) دونوں کام کریں، ویسے بھی دعا مانگنے والی جماعتیں کہاں اور تدبیر وزمینی محنتیں کرنے والے کتنے ہیں، بہت کم تعداد میں کام کے لائق لوگ رہ گئے، البتہ زیادہ تعداد ان کی ہے جو نہ دعا کرتی ہے اور نہ تدبیر، بس کرنے والوں پر طعنہ کستی

رہتی ہے،ایسے ہی لوگ میر جعفر ومیرِ صادق کے خاندان سے ہوتے ہیں،تدبیر کیا کرنی چاہئے گذشتہ صفحات میں گذر چکا۔

تدبیر کے ساتھ رُجوع الی اللہ بھی ضروری!

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے دو نظام کارفرما ہیں،ایک : نظامِ اسباب، دوسرے نظامِ غیب،نظام اسباب یہ ہے کہ ظاہری اسباب کے واسطہ سے نتائج ظاہر ہوں،یہ ایک واضح حقیقت ہے،جس کو ہم شب وروز سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں،اگر کوئی شخص آگ کے شعلہ کو اپنے ہاتھ میں لے لے تو اس کا ہاتھ جلے گا،اور تیرنے سے واقف نہ ہو پھر بھی گہرے دریا میں کود جائے تو یقیناً ڈوب جائے گا،یہ اسباب کا نظام ہے جو پوری کائنات میں کارفرما ہے،اور دنیا میں ہمارے سارے کام اسی ذریعہ انجام پاتے ہیں۔

نظام غیب کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے حاصل ہونے کا جو فطری ذریعہ ہوتا ہے،اس کے بغیر وہ چیز حاصل ہو جائے،یا جو چیز جس بات کا سبب بنتی ہو،اس کا وہ نتیجہ ظاہر نہ ہو پائے،جیسے : آگ میں انسان جل جاتا ہے؛لیکن اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ کو آگ نے نہیں جلایا،حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے ساتھ بحر قلزم میں اتر گئے،لیکن سمندر ڈبو نہیں سکا،انسان اس دنیا میں باپ اور ماں کے واسطہ سے پیدا ہوتا ہے؛لیکن حضرت عیسیٰؑ صرف ماں کے ذریعہ پیدا کئے گئے،یہ اللہ کا تعالیٰ کا غیبی نظام ہے،آخرت کا تو پورا نظم ونسق اسی نظام کے تحت رہے گا؛لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں بھی وقتاً فوقتاً انسان کو اس نظام کی جھلک دکھائی جاتی ہے۔

اس لئے جیسے حکومت کے ظالمانہ رویہ سے بمقابلہ کے لئے سیاسی اور عوامی جدوجہد کی جارہی ہے،اسی طرح اللہ تعالیٰ سے رجوع کا بھی اہتمام کرنا چاہیے،یہ اپنی مہم میں کامیابی حاصل کرنے کا غیبی نظام ہے،قرآن مجید میں مؤمنوں کے لئے آزمائش کا ذکر کرتے ہوئے صبر کرنے والوں خوشخبری سنانے کا حکم دیا گیا ہے،اور ان کی شانی بتائی گئی ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں : ’’ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے ‘‘ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔(۱)

یعنی مؤمن کی شان یہی ہے کہ خوشی کا موقع ہو یا تکلیف کی گھڑی،ہر حال میں وہ خدا کو یاد رکھے اور اسی سے رجوع کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب عراق کی سرزمین سے نمرود کے ہاتھوں ستائے ہوئے نکلے اور دیس سے پردیس ہوکر فلسطین کی طرف چلے تو انکے ساتھ ان کی بیوی بھی تھی۔(آپ کی بیوی کا نام سارہ تھا)

(۱)سورہ بقرہ ۱۵۶ :

دونوں میاں بیوی اپنا ایمان بچا کر مہاجر بنے سفر کرتے چلے جا رہے تھے راستے میں مصر کا ملک تھا، جب مصر میں داخل ہوئے وہاں کے بادشاہ کو خبر ہوئی کہ ایک شخص ہمارے ملک میں داخل ہوا ہے اسکے ساتھ اس کی نوجوان بیوی بھی ہے اور بے حد خوبصورت ہے، بادشاہ کی عادت تھی اس کے ملک میں نئے آنے والے کیساتھ اگر کوئی عورت ہوتی اور وہ خوبصورت ہوتی تو بادشاہ اس عورت کو پسند کرلیتا اور اپنے پاس رکھ لیتا۔ چنانچہ بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیساتھ یہی سلوک کرنے کا ارادہ کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مطابق بادشاہ کے کارندے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور انھیں بادشاہ کا پیغام دیا کہ وہ سارہ کو بادشاہ کے پاس بھیجیں ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام پردیسی تھے، اجنبی تھے غریب مالدار اور مسافر تھے وہ کیا کرسکتے تھے بے بس تھے لیکن اللہ کے موحد بندے تھے، انھیں یہ یقین تھا کہ جس اللہ کی توحید کے لیے وہ آگ میں کود گئے اور اللہ نے انھیں محفوظ رکھا وہ اللہ اپنے بندے کی عزت کا بھی ضرور پاس کرے گا۔ جنانچہ بے بس مسافر نے اپنی بیوی کو بادشاہ کی طرف روانہ کردیا، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو محل میں پہنچا دیا گیا بادشاہ ان کے حسن کے بارے میں اپنے کارندوں سے آگاہ ہو چکا تھا اس کی نیت جو پہلے ہی خراب تھی وہ اب اسکا ارادہ اور زیادہ برا ہوگیا، چنانچہ وہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہونے لگا تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اٹھ کھڑی ہوگئیں محسوس ہوتا ہے کہ بادشاہ یہ منظر دیکھتا رہا اور یہ سوچ کر انتظار کرتا رہا کہ یہ خاتون اپنی عبادت سے فارغ ہوگی تو پھر اس کی طرف بڑھوں گا، ادھر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اپنے رب کریم سے باتیں کر رہی تھیں جو کوئی بھی جب اللہ کے حضور نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے اللہ سے باتیں کرتا ہے، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے اپنے رب سے اپنی مشکل کے بارے میں جو بات کی اللہ کی قسم با کمال تھی، انھوں نے کہا: اے اللہ اگر میں تجھ پر ایمان لائی ہوں تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں، اپنے خاوند کو چھوڑ کر میں نے اپنی عزت وعصمت کو کبھی داغدار نہیں ہونے دیا.... تو پھر میرے مولا.... اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ ہونے دے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ ظالموں کے تسلط کو روکنے اور ان سے مقابلہ کرنے کے لئے دعاء ایک طاقتور ہتھیار ہے؛ اس لئے موجودہ حالات میں ہمیں ضرور دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

دعاء ہی کی ایک صورت استغفار ہے، یہ بھی مصیبتوں سے نجات پانے کا ایک غیبی نسخہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : جو استغفار کا اہتمام کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے مصیبت سے باہر نکلنے کا راستہ بنا دیتے ہیں، ہر فکر سے نجات عطا فرماتے ہیں، اور ایسے طریقہ پر رزق عطا کرتے ہیں، جس کا آدمی کو گمان بھی نہ ہو : ’’مَنْ لَزِمِ الاسْتِغْفَار، جَعَلَ اللّٰہُ لَہُ مِنْ کُلِّ ضِیقٍ مَخْرجًا، ومِنْ کُلِّ ھَمٍّ فَرجًا، وَرَزَقَہُ مِنْ

حیثُ لایَحتَسِبُ"۔(۱) اس لئے استغفار کا بھی خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ ہمیں ظالم حکمرانوں کے نقصان سے بچنے کا طریقہ بتاتے ہیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب تجھے ظالم بادشاہ کے ساتھ ابتلاء واقع ہو جائے اور اس کے سبب سے تیرے دین میں نقصان پیدا ہو جائے تو اس نقصان کا کثرت استغفار کے ساتھ تدارک کر اپنے لئے اور اس ظالم بادشاہ کے لئے۔(۲)

آزمائش کے ایسے حالات کے لئے ایک خاص ذکر بھی مروی ہے، اور وہ ہے: "حسبنا اللہ و نعم الوکیل" حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے یہی پڑھا اور جب مسلمانوں کو ڈرایا گیا کہ دشمن طاقتیں تمہارے خلاف کھڑی ہیں، تم ان سے ڈر کر رہو تو رسول اللہ ﷺ نے یہی پڑھا، قرآن مجید میں صحابہؓ کا عمومی طرز عمل بھی یہی بیان فرمایا گیا ہے کہ جب لوگ انہیں مسلمان کے خلاف مخالفین کے اکٹھا نے ہونے سے ڈراتے تو وہ کہتے: "حسبنا اللہ و نعم الوکیل"۔

مسلمانوں پر ظالم حکمرانوں کے مسلط ہونے کی وجہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ظَهرَ الفَسادُ فِي البَرِّ وَالبَحرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهم بَعضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهم يَرجِعُونَ"(۳)

"خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی (اعمال) کے سبب خرابی پھیل رہی ہے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے بعض اعمال کا مزہ انہیں چکھا دے؛ تاکہ وہ باز آجائیں"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: "وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ" (الشوریٰ ۳۰:) "اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے کاموں سے (پہنچتی ہے) اور بہت سارے (گناہوں) سے تو وہ (اللہ تعالیٰ) درگزر کر دیتا ہے"۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں بادشاہوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔ بادشاہوں کے دل میرے دست قدرت میں ہیں۔ جب لوگ میری تابعداری کریں، میں بادشاہوں کے دلوں میں رحمت اور نرمی ڈال دیتا ہوں اور جب میری مخالفت کریں تو ان کے دلوں کو عذاب اور غضب کی

(۱) سنن ابی داؤد، حدیث ۱۵۱۸:

(۲) تنبیہ المغترین، الباب اول، صبرھم علی جور الحکام ۴۲:

(۳) الروم ۴۱:

طرف پھیر دیتا ہوں پھر وہ ان کو سخت ایذائیں دیتے ہیں تو لوگوں کو چاہئے کہ بادشاہوں کو برا کہنے میں مشغول نہ ہوں بلکہ ذکر اور عاجزی اختیار کریں پھر بادشاہوں کی طرف سے میں کافی ہو جاؤں گا، یعنی وہ رعایا کے ساتھ سلوک ومحبت سے پیش آئیں گے۔

”قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ يَقُولُ: "أَنَا اللهُ لا إِلَهَ إِلا أَنَا، مَالِكُ الْمُلُوكِ وَمَلِكُ الْمُلُوكِ، قُلُوبُ الْمُلُوكِ فِي يَدِي، وَإِنَّ الْعِبَادَ إِذَا أَطَاعُونِي حَوَّلْتُ قُلُوبَ مُلُوكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّأْفَةِ وَالرَّحْمَةِ، وَإِنَّ الْعِبَادَ إِذَا عَصَوْنِي حَوَّلْتُ قُلُوبَهُمْ عَلَيْهِمْ بِالسَّخْطَةِ وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ، فَلا تَشْغَلُوا أَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوكِ، وَلَكِنِ اشْتَغِلُوا بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ إِلَيَّ أَكْفِكُمْ مُلُوكَكُمْ“(۱)

ذرا غور کریں کہ جن حکمرانوں کو ہم ظالم و جابر کہتے ہیں، یہ کہاں سے آئے؟ کس قوم میں سے آئے؟ تو جواب یہی آئے گا کہ یہ ہم ہی میں سے آئے۔ یہ ہمارے ہی درمیان پلے بڑے اور آج حکمران بنے بیٹھے ہیں۔ پھر یہ اتنے ظالم کیسے بن گئے؟ اقتدار میں آنے سے قبل تو یہ ہمارے درمیان نظر آتے تھے۔ ہمارے دکھوں کو اپنا دکھ قرار دیتے تھے، مہنگائی، کرپشن اور ظلم کو ختم کرنے کے ہم سے وعدے کرتے تھے مگر اقتدار میں آتے ہی یہ اتنے ظالم کیسے بن گئے؟ حدیث قدسی میں اس کا جواب موجود ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے جب لوگ میری اطاعت کریں تو میں بادشاہوں (حکمرانوں) کے دلوں میں رحمت اور نرمی ڈال دیتا ہوں اور جب لوگ میری نافرمانی کریں تو حکمرانوں کے دلوں کو غضب کی طرف پھیر دیتا ہوں پھر وہ اس قوم کو سخت ایذائیں دیتے ہیں۔

مذکورہ آیات وحدیثِ قدسی سے معلوم ہوا کہ مصیبت اور فساد کا سبب خود انسان کے اپنے کیے ہوئے بُرے اعمال ہیں، اور یہ بھی بوضاحت سمجھ میں آرہا ہے کہ اگر بُرے اعمال نہ ہوں تو یہ مصائب، آفات اور فسادات وغیرہ بھی نہ ہوں گے۔ نتیجہ یہی نکلا کہ ”نافرمانی سببِ پریشانی اور فرماں برداری سببِ سکون ہے“۔

تمھارے اعمال اور تمھارے حکمران

امام طرطوشیؒ فرماتے ہیں: میں لوگوں سے سنتا تھا کہ تمھارے اعمال ہی تمھارے حکمران ہیں، جیسے تمھارے اعمال ہوں گے ویسے تمھارے حکمران آئیں گے، یہ مضمون مجھے قرآن پاک میں مل گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”

(۱) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء، الفصل الثالث، حدیث نمبر: ۳۷۲۱

اسی طرح لوگوں کے اعمال کے مطابق ہم بعض ظالم دوسرے بعض ظالموں پر مسلط اور حکمران بناتے ہیں‘‘۔

”لم ازل اسمع الناس یقولون :اعمالکم عمالکم کماتکونو ایولی علیکم، الی ان ظفرت بھذا المعنی في القرآن قال اللہ تعالی :وکذالک نولی بعض الظالمین بعضا بما کانوایکسبون۔(۱)

کہا جاتا ہے کہ آپ زمانہ میں جو فساد دیکھ رہے ہیں یہ آپ کے بداعمال کے سبب ہے۔وکان یقال ماانکرت من زمانک فانما افسدہ علیک عملک“

بعض دیندار طبقہ کا خیال یہ ہے کہ حکمران کا انتخاب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے،اور بندوں کے جیسے اعمال ہوں گے اس کے مطابق اچھے اور برے حکمرانوں کا انتخاب ہوتا ہے؛اس لیے اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر میں ووٹ دینے سے گریز کرتے ہیں، جبکہ اللہ پر توکل اور بھروسہ کرتے ہوئے اسباب وتدابیر کو اختیار کرنا چاہیے اور نتائج کو اللہ کے حوالے کردینا چاہیے۔اگر ووٹوں کا استعمال علماء وصلحاء ودانشوران کی رائے اور مشورہ سے کیا جائے تو کافی حد تک خرابیوں سے حفاظت ہوسکتی ہے۔

اعمال ابوجہل کے؟حکمرانی عمرؓ کی؟

عبدالملک بن مروان کہا کرتا تھا: لوگوں! تم نے ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا،تم لوگ ہم سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی سیرت اور طرز حکمرانی کا تقاضا کرتے ہو،مگر ان کے جیسے اعمال خود اپناتے نہیں ہو اور نہ ہم سے طلب کرتے ہو۔”قال عبد الملک بن مروان :ما انصفتمونا یامعشر الرعیة، تریدون منا سیرة أبي بکر وعمر ولاتسیرون فینا ولا في انفسکم بسیرته“

ظالم حکمران اللہ کی ناراضگی کی علامت ہے

حضرت قتادہؒ نے فرمایا: بنی اسرائیل نے کہا :اے اللہ! آپ آسمان میں ہیں اور ہم زمین میں، ہم کو آپ کی رضامندی اور ناراضگی کا کیسے پتہ چلے گا؟ اللہ تعالی نے جواب میں اس وقت کے انبیاء کی طرف وحی نازل فرمائی کہ ’’جب میں تم پر نیک لوگوں کو حکمران بناؤں تو میری رضامندی کی علامت ہے،اور جب بُرے حکمران مسلط کروں تو یہ میری ناراضگی کی علامت ہے۔

”قال قتادة :قالت بنو اسرائیل :الھنا! أنت في السماء ونحن في الأرض،

(۱)الانعام۱۲۹ :

فكيف نعرف رضاك من سخطك؟ فأوحى الله تعالى الى بعض انبيائهم: اذا استعملت عليكم خياركم فقد رضيت عنكم، واذا استعملت عليكم شراركم فقد سخطت عليكم"

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی کا سوال

ایک مرتبہ عبیدہ سلمانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ امیر المومنین! کیا وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضؓ اور حضرت عمرؓ لوگوں میں مقبول تھے، ان پر ابتدا میں دنیا تنگ تھی پھر خوشحالی ان کے نصیب میں آئی، مگر جب آپ اور حضرت عثمان خلیفہ بنے، تو وہ مقبولیت باقی نہیں رہی، اور آسانی کے بعد میں مشکلات کا سامنا رہا؟ حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا: کیونکہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی رعایا اور عوام میرے اور حضرت عثمانؓ جیسے لوگ تھے، اور آج میری رعایا آپ اور آپ جیسے لوگ ہیں۔

"قال عبيدة السلماني لعلى بن ابى طالب رضى يا امير المؤمنين! ما بال أبي بكر وعمر انطاع الناس لهما، والدنيا عليهما اضيق من شبر فاتسعت عيلهما، ووليت انت و عثمان الخلافة ولم ينطاعوا الكما، وقد اتسعت فصارت عليكما اضيق من شبر؟ فقال: لان رعية أبي بكر وعمر كانوا امثلي ومثل عثمان، ورعيتى انا اليوم مثلک وشبهک" (۱)

تنبیہ: "اعمالكم عمالكم" حدیث نہیں ہے، امام حسن بصری اور دوسرے بزرگوں کا ایک حکیمانہ قول ہے، جو حدیث "كماتكونوا يولى عليكم" کے ہم معنی ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وعمر بن عبد العزیزؒ کا قول

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو حجاج بن یوسف کے حق میں بددعا کرتے سنا تو فرمایا: یہ تو تمھارے اعمال کا نتیجہ ہے، ہمیں ڈر ہے کہیں حجاج چلا جائے تو تم پر بندر اور خنزیر جیسے لوگ مسلط نہ ہو جائیں۔

"فانه سمع رجلا يدعو على الحجاج، فقال له: لا تفعل، انكم من انفسكم اتيتم، انا نخاف أن عزل الحجاج او مات أن يستولي عليكم القردة والخنازير"

حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ حجاج بن یوسف خدا کی طرف سے ایک آزمائش

(۱) سراج الملوک: ۱۱٦،

تھا جو بندوں پر گناہوں کے موافق آیا۔(۱)

منصور ابن الاسود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام اعمش رحمہ سے اس آیت ﴿وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظّٰلِمِينَ بَعْضاً﴾ کے بارے میں کیا سنا ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ میں نے صحابہ رضوان اللہ علیہم سے اس بارے میں سنا کہ: جب لوگ خراب ہوجائیں گے تو ان پر بدترین حکمران مسلط ہوجائیں گے۔

”قال النجم :روى ابن أبي شيبة عن منصور بن أبي الأسود قال :"سألت الأعمش عن قوله تعالى ﴿وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظّٰلِمِينَ بَعْضاً﴾ ما سمعتهم يقولون فيه؟قال :سمعتهم :إذا فسد الناس أمر عليهم شرارهم“

امام بیہقیؒ نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہر زمانہ کا بادشاہ اس زمانہ والوں کے دلوں کے حالات کے مطابق بھیجتے ہیں۔

”عن كعب قال :إن لكل زمان ملكا يبعثه الله على نحو قلوب أهله، فإذا أراد صلاحهم، بعث عليهم مصلحًا، وإذا أراد هلاكهم، بعث عليهم مترفيهم“

مسئلہ حکمرانی کا ہے یا نافرمانی کا؟

جنہیں اپنی زندگی درست کرنا نہیں ہے ان کے پاس بہانے بہت ہوتے ہیں، جیسے جب سے موجودہ حکومت آئی ہے، تب سے حالات خراب ہیں، اگر یہ حکومت ختم ہوجائے تو حالات درست ہوجائیں گے، مگر سوال یہ ہے کہ موجودہ حکومت اقتدار پر آئی کیسے؟ کیا اس میں ہماری بدعملی کا دخل نہیں ہے؟ اگر ہماری بدعملی کی وجہ سے یہ اقتدار پر ہے تو علاج اسکا یہی ہے کہ ہم عمل درست کرلیں، مگر شاید ہم ابھی اس کے لئے تیار نہیں ہیں، زبانِ حال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غفلت کی چادر ایسے تان دی گئی ہے کہ اگر بخت ونصر بھی مسلط ہوجائے یا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی وزیرِ اعظم اور بایزید بسطامیؒ صدرِ جمہوریہ بن جائیں پھر بھی اعمال کی درستگی نہیں ہوگی۔ ایک طرف ملک کا حکمران اپنے باطل مذہب کے لئے ایک رسم نہیں بلکہ پورا خاندان حتی کہ بیوی کو بھی چھوڑنے تیار ہے مگر دوسری طرف مسلمان حق کی خاطر صرف حرام رسومات کو ترک کرنے تیار نہیں ہے، اس قدر فرق کے باوجود کیسے انقلاب کی امید لگائی جائی گی۔ مسئلہ قیادت کا نہیں بلکہ اطاعت کا ہے، مسئلہ حکمرانی کا نہیں بلکہ نافرمانی کا ہے۔

(۱) تنبیہ المغترین، الباب الاول، صبرہم علی جور الحکام ۴۲:

اپنے اعمال سے غفلت نہ برتیں

ہم مسلمانوں سے یہ حقیقت اوجھل نہ ہو کہ حکمرانوں کی تبدیلی میں اعمال کا بڑا دخل ہوتا ہے، ہمارے اعمال جس قسم کے ہوں گے اللہ تعالیٰ اسی طرح کے حکمرانوں کو مسلط کریں گے، اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا حوالہ دیتے جسے ملک کے ایک صاحب نِسبت عالم دین مولانا اعجاز احمد اعظمی نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، مولانا نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ سے کسی نے ظالم حکمراں کی شکایت کی تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ دو یار ہمسفر تھے، ایک نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے سلطنت عطا فرمائے تو ایسا عدل وانصاف کروں اور جود و کرم کی وہ داد دوں کہ کبھی کسی نے سنا بھی نہ ہو، دوسرا بولا کہ اگر میں بادشاہ ہو جاؤں تو ہر روز ایک آدمی کو قتل کیا کروں، اور ایسے ایسے ظلم ایجاد کروں کہ جو کسی کے خیال میں بھی نہ گزرے ہوں، خدا کی قدرت! کچھ مدت کے بعد وہ ظالم دوست آدمی صاحب تخت وتاج ہوگیا، اور اپنے ارادے اور منشاء کے مطابق اس نے ایسے ایسے ظلم شروع کیئے کہ تمام ملک میں شور قیامت برپا ہوگیا، اتفاقاً وہ عدل پسند یار بھی وہاں آنکلا، لوگوں نے اس کے روبرو واویلا کی کہ صاحب بادشاہ آپ کا قدیم دوست ہے، کچھ تم ہی سمجھاؤ کہ جور بے حد سے باز آئے، اس نے تنہائی میں نصیحت کی کہ یار کچھ تو خدا سے ڈر، کیوں خلقت کو تباہ کرتا ہے، اس نے جواب دیا، ابے احمق اگر اللہ کو لوگوں پر رحم کرنا منظور ہوتا تو مجھ کو دولت اور سلطنت کیوں دیتا تجھی کو نہ بادشاہ بناتا، کیا تجھ کو یاد نہیں کہ میں نے اس سفر میں کیا کہا تھا؟ اس واقعہ کو ذکر کرکے مولانا لکھتے ہیں کہ اگر واقعی اچھی حکومت درکار ہے تو رعایا میں ایمانداری، سچائی، باہمی ہمدردی اور خیر خواہی کا چلن عام ہونا چاہیے؛ ورنہ بدچلن رعایا بدچلن حاکم ہی کا انتظار کرے، بالخصوص مسلمان جن کو یہاں کی حکومت سے سب سے زیادہ شکایت ہے الیکشن کی تمام زور آزمائیوں کا یہ بارہا تجربہ کرچکے ہیں، نتیجہ ہمیشہ خلاف رہا، ہر اگلا دن پچھلے دن سے مشکل آتا گیا ہے، ان کے پاس تو زندگی کا ایک مکمل اور پاکیزہ دستور العمل ہے، یہ اس دستور العمل کو سیکھتے اور اپنے اوپر اس کو نافذ کرنے کا حوصلہ رکھتے تو رنگ بدلتے دیر نہ لگتی۔(۱)

مسلمانوں کی بداعمالیاں کیا ہیں؟

ہم جن مصیبتوں میں مبتلا ہیں خصوصاً مہنگائی ٗ بے برکتی ٗ تنگ دستی ٗ ذلت و رسوائی ٗ مہلک بیماریاں ٗ دشمن کا خوف ٗ ظالم حکمران ٗ نافرمان اولاد کہیں یہ مصیبتیں درج ذیل گناہوں کی وجہ سے تو نہیں؟

۱۔ہم نے نمازوں کو بوجھ جان کر اسے وقت پر باجماعت ادا کرنا چھوڑ دیا۔

---

(۱) مشکوٰۃ شریف، ۳۲۳ بحوالہ : بصیرت آن لائن، مولانا سید احمد ومیض صاحب نقشبندی دامت برکاتہم

۲۔روزے ہم اس لئے ترک کر دیتے ہیں کہ ہمیں بھوک اور پیاس برداشت نہیں ہوتی۔
۳۔ہم زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھتے ہیں اور اسے پوری طرح ادا نہیں کرتے۔
۴۔ہم نے رمضان کے عمرے کو فیشن بنالیا اور فرض حج کو مشقت کا باعث سمجھ کر اسے ترک کر دیا۔
۵۔والدین نے اپنی اولاد کی اسلامی اصولوں کے مطابق تربیت نہیں کی۔
۶۔اولاد ماں باپ کو بوجھ سمجھتی ہے اور انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتی۔
۷۔بھائی اپنے سگے بھائی سے فقط مال کی وجہ سے محبت اور غریب بھائی سے تعلقات بھی نہیں رکھتا۔
۸۔سگی بہن اگر غریب ہے تو بھائی اس کے گھر جانا بھی گوارا نہیں کرتا۔
۹۔والدین اپنی مالدار اولاد کو غریب اولاد پر ترجیح دیتے ہیں۔
۱۰۔بیوی شوہر کا قبلہ بن چکی ہے۔
۱۱۔بیوی اپنے شوہر کی ناشکری بن چکی ہے۔
۱۲۔نوجوان لڑکا باپ کو دور اور دوست کو قریب کرتا ہے۔
۱۳۔والدین اپنی نوجوان اولاد اور بہو کے ساتھ بیٹھ کر فلمیں ڈرامے دیکھتے ہیں۔
۱۴۔موسیقی عام ہو چکی ہے، کوئی بھی مسلمان اپنے کانوں کو موسیقی سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔
۱۵۔دعوتوں میں بے دریغ کھانا پھینکا جاتا ہے۔
۱۶۔خود پسندی بڑھ رہی ہے، ہر چیز میں دکھاوا پیدا ہو چکا ہے۔
۱۷۔مال کمانے کی لالچ بڑھتی جا رہی ہے، ہمیں اس سے غرض نہیں کہ حلال ہے یا حرام۔
۱۸۔لسانیت کی بنیاد پر بھائی بھائی کے اوپر اسلحہ تانے کھڑا ہے۔
۱۹۔جس مومن کی عزت کو بیت اللہ سے بھی بڑھ کر فرمایا اس کو سر عام گولیاں ماری جاتی ہیں۔
۲۰۔مسلمان بھائی کا مال دوسرے مسلمان پر حرام ہے، مگر اس کے باوجود اسلحہ کے زور پر دوسرے مسلمان کو لوٹ لیا جاتا ہے۔
۲۱۔اخبارات پر مقدس نام اور کلمات لکھے ہوتے ہیں مگر ہم چند روپے کے عوض اسے ردی میں فروخت کر دیتے ہیں۔
۲۲۔نقص والے مال کو اچھا ظاہر کر کے اپنے بھائی کو دھوکہ دیکر فروخت کرتے ہیں۔
۲۳۔حسد اور عداوت کی بناء پر اپنے ہی مسلمان بھائی پر اس کے گھر پر اور کاروبار پر کالا علم کرواتے ہیں۔
۲۴۔سیٹھ صاحب اپنے ملازمین کو ان کا اصل حق نہیں دیتے۔

۲۵۔ملازمین اپنے سیٹھ سے تنخواہ لینے کے باوجود سیٹھ کی جانب سے منگوائی جانے والی اشیاء پر کمیشن رکھتے ہیں۔
۲۶۔رعایا کی نیت خراب ہو چکی ہے جبکہ حکمران عیاش اور مکار ہو چکے ہیں۔
۲۷۔میڈیا پر بے دریغ اسلام اور شعائر اسلام کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔
۲۸۔مسلمان اپنے علماء کی غیبت کرتے ہیں اور ان کو برے القاب سے یاد کرتے ہیں۔
۲۹۔قرآن مجید کو غلاف میں لپیٹ کر رکھ دیا' کبھی اس کی تلاوت پابندی سے نہیں کی اور نہ ہی اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔
۳۰۔ہم نے اپنے مولیٰ ﷺ کی سنتوں کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کے طریقوں کو اپنالیا ہے۔
۳۱۔سٹے بازی' جوا' ویڈیو گیم' شطرنج' اسنوکر اور دیگر بے ہودہ کھیل گلی گلی کھیلے جارہے ہیں۔
۳۲۔سود کا نام منافع' شیئرز کا نام کاروبار' شراب کا نام وسکی' جھوٹ کا نام ٹکنیک' اور خنزیر کا نام دنبہ رکھ کر ان چیزوں کو خوب استعمال کیا جارہا ہے۔لمحہ فکریہ! ہم سب اپنا محاسبہ کریں کہ کہیں ان میں سے کسی گناہ میں ہم ملوث تو نہیں؟ فوراً توبہ کریں اس سے پہلے کہ موت ہمیں آگھیرے۔(۱)

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ رعایا کے ساتھ حکمرانوں کے رویہ کا تعلق باطنی طور پر لوگوں کے اعمال و کردار سے ہوتا ہے کہ اگر رعایا کے لوگ اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کرتے ہیں اور ان کے اعمال و معاملات بالعموم راست بازی و نیک کرداری کے پابند ہوتے ہیں تو ان کا ظالم حکمران بھی ان کے حق میں عادل نرم خو اور شفیق بن جاتا ہے اور اگر رعایا کے لوگ اللہ کی سرکشی و طغیانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کے اعمال و معاملات عام طور پر بدکرداری کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں تو پھر ان کا عادل و نرم خو حکمران بھی ان کے حق میں غضب ناک اور سخت گیر ہو جاتا ہے؛ لہٰذا حکمران کے ظلم وستم اور اس کی سخت گیری و انصافی پر اس کو برا بھلا کہنے اور اس کے لیے بددعا کرنے کی بجائے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، ایسے حالات میں اپنی بداعمالیوں پر ندامت کے ساتھ توبہ استغفار کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے دربار میں عاجزی و زاری کے ساتھ التجاو فریاد کی جائے اور اپنے اعمال اور اپنے معاملات کو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع کر دیا جائے تا کہ رحمتِ الٰہی متوجہ ہو اور ظالم حکمران کے دل کو عدل و انصاف اور نرمی و شفقت کی طرف پھیر دے۔(۲)

---

(۱) میری اسلامی معلومات
(۲) دارالافتاء : جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر 143909201137 :

فصلِ ششم

حوصلہ نہ ہاریں!

ہندوستان میں مسلمانوں کی موجودہ صورت حال

ہندوستان میں اس وقت مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں، وہ کسی بھی باعزت قوم کے شایانِ شان نہیں، سیاسی اعتبار سے وہ ایک منتشر انبوہ ہیں، افرادی قوت کے لحاظ سے ملکی سیاست پر ان کا کوئی اثر نہیں، معاشی اعتبار سے ان کی پسماندگی ضرب المثل ہے، نہ تجارت میں ان کا قابل لحاظ حصہ ہے، نہ صنعت میں، سب سے افسوس ناک بات مسلمانوں کی تعلیمی پستی اور زبوں حالی ہے، جس نے ان کو سیاسی شعور سے بھی محروم رکھا ہے اور معاشی بدحالی سے بھی دوچار کیا ہے؛ اس لیے کہ اس دور میں ملازمت ہی نہیں، اعلیٰ درجہ کی صنعت وتجارت بھی تعلیم کی رہین منت ہے، مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ وہ خود کوئی سیاسی قوت نہیں ہیں، اس بات نے عام طور پر مسلم قائدین کو بے سمتی کا شکار اور خوشامدی بنادیا ہے، مسلمان تجارت میں اُترنے کا حوصلہ نہیں پاتے، معمولی تجارتوں پر قانع ہیں، صنعت اور کاروبار آج مقابلہ کا اصل میدان ہے اور سخت محنت اور اعلیٰ صلاحیت کے کے بغیر کوئی اسے سر نہیں کرسکتا، اس میدان میں قدم رکھنے سے بھی مسلمان گھبراتے ہیں، یہی حال تعلیم کا ہے، مسلمان طلبہ ایک طرح کے احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں، اعلیٰ مقابلہ جاتی امتحان میں مسلمان طلبہ کی شرکت بہت معمولی ہے۔

کفر کی نفسیات اور جذبہ ایمانی کا فرق

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کفر کی نفسیات یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو خوف ودہشت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ ان کا حوصلہ ٹوٹ جائے اور ان کی ہمتیں پست ہوجائیں، یہ ایک شیطانی چال ہے، شیطان اس کام کے لئے اپنے چیلوں کو استعمال کرتا ہے، شیطان کا یہ کام معاندانہ قوتوں کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے منافقین کا ذریعہ بھی؛ لیکن اہل ایمان کی شان یہ ہے کہ وہ ایسی باتوں سے گھبرائیں نہیں؛ بلکہ اس سے ان کے حوصلے بلند ہوں اور ان کے ارادہ میں مزید طاقت پیدا ہوجائے، ان کے عزائم مضبوط ہوں، اسلام کی یہ تاریخ ان کے پیش نظر ہو کہ ہر دور میں حق اور سچائی کے علمبرداروں کو اسی راہ سے گزرنا پڑا ہے؛ اس لئے یہ کوئی نئی بات نہیں یہ سوچ کر ان کے ایمان میں اضافہ ہوگا؛ کیوں کہ انہیں محسوس ہوگا کہ وہ بھی اس ربانی گروہ کے نقش قدم پر ہیں جو گزشتہ انبیاء اور خود پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ تھے۔

ایسے موقع پر مسلمانوں کی سوچ یہ ہونی چاہیے کہ قسمتوں کے فیصلے زمین پر نہیں آسمان پر ہوتے ہیں؛

اس لئے ہمارا اصل بھروسہ اللہ پر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہدایات اور تعلیمات پر ہونا چاہیے، ؛ چنانچہ صحابہؓ نے اس دھمکی اور دہشت آمیز خبر کو سن کر ایک بات فرمائی ''حسبنا اللہ و نعم الوکیل'' اللہ کی ذات ہمارے لئے کافی ہے، اور وہی ہمارا کارساز ہے، مادی اسباب غیبی نصرت کے مقابلہ میں کوئی طاقت نہیں رکھتے، ان کی مثال خس وخاشاک کی ہے، جو دریا کے صاف وشفاف پانی پر چھا جاتے ہیں ؛لیکن اتنی ہی تیزی کے ساتھ چھٹ بھی جاتے ہیں، یہ گھٹائیں ہیں، جو سورج کے رخ تاباں پر چھا گئی ہیں ؛لیکن چھٹ جانا ان کا مقدر ہے، یہ ایک آندھی ہے جو آبادیوں کو تہہ و بالاتہہ کر دیتی ہے،لیکن ان میں ٹھہراؤ نہیں، یہ بارش کی کثرت سے اُبل آنے والا سیلاب ہے، جو بظاہر شہروں اور بستیوں کو تالاب میں تبدیل کر دیتا ہے ؛لیکن اس میں قرار نہیں، اس لئے مسلمانوں کو ہرگز ایسے واقعات سے گھبرانا نہیں چاہیے، یہ بات کہ کفر کی طاقت ہماری ہمت وحوصلہ کو توڑ دے، ہرگز مسلمانوں کے شایان شان نہیں ہے۔

مسلمانوں کی ایک ناقابل فراموش تاریخ ہے

اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں اس بات کا اشارہ بھی موجود ہے کہ جو صورت حال بظاہر ناکامی و نامرادی کی نظر آتی ہے، اسی سے کامیابی اور ظفریابی کا راستہ بھی کھلتا ہے، اور جب مسلمان اس آزمائش سے باہر نکلتے ہیں تو اللہ کے فضل سے مالامال ہو کر، اور یہ آزمائش دیر پا نہیں ہوتی : '' فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ '' (۱) مسلمانوں نے اس ملک کی بہترین خدمت کی ہے وہ اس ملک میں چور اور لٹیرے کی طرح نہیں آئے ؛ بلکہ انہوں نے اس سرزمین کو اپنا وطن بنایا، جو ملک ذات پات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، اسے انسانیت، اُخوت اور مساوات کا سبق سکھایا، اس خطہ کو ایسا خوش حال ملک بنایا، جسے سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا، اس ملک کی حدود کو اتنی وسعت دی، جو پہلے کبھی اسے حاصل نہیں تھی، آج ہم جس وسیع وعریض ملک میں رہتے ہیں، یہ وسعت واتحاد مسلمانوں کی دین ہے ،اس کے چپہ چپہ پر مسلمانوں کے نقوش محبت ثبت ہیں، چاہے دہلی کا لال قلعہ ہو یا آگرہ کا تاج محل، دہلی کا قطب مینار ہو یا حیدرآباد کا چارمینار یا ہندستان کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ کا احاطہ کرنے والی جرنیلی سڑک، جسے شیر شاہ سوری نے تعمیر کیا تھا، یہ سب مسلمانوں کی دین ہے ؛ اس لئے ہم کو احساس کمتری میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

---

(۱) آل عمران ۱۷۴ :

مسلمان لقمۂ تر نہیں ہے

اور یہ بھی ایک سچائی ہے کہ مسلمان لقمۂ تر نہیں ہیں جن کو نگل لیا جائے؛ بلکہ وہ اپنے عزم وحوصلہ کے اعتبار سے لوہے کے چنے ہیں، جولوگ ان کو چبانا چاہیں گے، ان کو خود اپنی خیر منانی پڑے گی، مسلمان اس ملک میں بہت سی آزمائشوں سے گذر چکے ہیں، ملک کی تقسیم کے وقت ہندستان کے بیشتر علاقوں میں مسلمانوں پر ایک قیامت آئی، جس کے تذکرہ سے کلیجہ منھ کو آتا ہے، اسی طرح دکن اسٹیٹ کا انڈین یونین میں انضمام ہوا اور مسلمان ایسی آزمائش سے گذرے کہ ان غم انگیز لمحات کا نقشہ کھینچنا ممکن نہیں، مسلمانوں نے آگ کے سمندر کو پار کیا اور ان کو خون کے دریا سے گذرنا پڑا؛ لیکن اس کے باوجود انہوں نے ثابت قدمی کا دامن نہیں چھوڑا اور پوری قوت کے ساتھ اسلام پر جمے رہے، ان کی بلند حوصلگی اور قوت ارادی ہی ہے، جس نے اس کو ملک میں باقی رکھا ہے، اگر کوئی اور قوم ہوتی تو شاید اس نے ان مظالم کے سامنے ہتھیار ڈال دیا ہوتا، اور وہ فتنہ ارتداد کا شکار ہو جاتی، وہ اپنے تہذیبی تشخص اور مذہبی شناخت سے ہاتھ دھولیتی اور اپنی ملی وجود سے محروم ہو جاتی؛ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا، صرف اس لئے کہ ایمان کا نشہ ایسا نشہ ہے کہ جس قدر اس کو اُتارنے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ بڑھتا اور چڑھتا چلا جاتا ہے۔

شر سے خیر کی پہلی مثال

رسول اللہ ﷺ اعلان نبوت کے بعد ۱۳؍سال مکہ میں رہے، اس پوری مدت میں آپ کو بھی اور آپ کے جاں نثاروں کو بھی سخت اذیتیں پہنچائی گئیں، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو شہید کر دیئے گئے، بعض کو ایسی تکلیفیں دی گئیں جو موت سے کم نہیں تھیں، خود در رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی، جب لوگوں کی جان کے لالے پڑ گئے تو اللہ کے حکم سے مردان حق کے اس چھوٹے موٹے قافلہ نے مدینہ منورہ ہجرت کی اور مدینہ کے لوگوں نے کچھ اس طرح محبت کے پھول نچھاور کئے کہ نفرت کے جو کانٹے مشرکین مکہ کی طرف سے چبھوئے گئے تھے، ان کا درد کم ہونے لگا اور صحابہ نے کسی درجہ میں سکون کی سانس لی؛ اگرچہ خطرات کے بادل یہاں بھی منڈلاتے تھے اور اہل مکہ کی طرف سے بار بار حملے بھی ہو رہے تھے؛ لیکن ویسے تکلیف دہ حالات نہیں تھے، جن سے وہ مکی زندگی کے ۱۳؍سالہ عرصہ میں گزرے تھے۔ مدینہ میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کے فرض ہونے کا اعلان ہوا تو فطری طور پر صحابہ کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی ہوگی کہ ابھی تو سکون کی سانس لینے کا موقع ملا ہے، کاش ابھی فوراً جہاد کا حکم نہیں ہوتا، اس پس منظر میں حکم جہاد کے ساتھ

ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک اصولی ہدایت ارشاد فرمائی کہ دشوار حالات میں مسلمانوں کے لئے صبر واستقامت کا سامان مہیا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :عسیٰ أن تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسیٰ أن تحبوا شیئا وھو شر لکم (۱) ہوسکتا ہے کہ تم ایک بات کو ناپسند کرو اور اسی میں تمہاری بھلائی ہو، اور ممکن ہے کہ تم ایک بات کو پسند کرو؛ لیکن وہ تمہارے لئے بہتر نہ ہو۔ یہ ارشاد ربانی ٹوٹے ہوئے دلوں کے لئے سہارا، ناامیدی کی شب تاریک میں امید کا چراغ اور ناکامیوں ومحرومیوں کے ماحول میں حوصلہ مندی کا پیغام ہے۔

دوسری مثال

۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کی شہادت کا سانحہ پیش آیا، اور اس کے ساتھ ایک طرفہ فسادات کا یک طویل سلسلہ بھی شروع ہوگیا، جولوگ مظلوم تھے، پولیس کی گولیاں ان ہی کو نشانہ بناتی تھیں، کتنی ہی مسجدیں ہیں، جوشہید کردی گئیں، اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور بغض وعداوت کی ایک نہ ختم والی آگ لگادی گئی، یقیناً یہ ایک بڑا سانحہ ہے؛ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس سانحہ کے بعد ملت اسلامیہ نے ایک انگڑائی لی ہے، انہوں نے اپنے بھائیوں کے ایمان کی حفاظت کے لئے گاؤں گاؤں مساجد تعمیر کیں، مکاتب قائم کئے، دینی تعلیمی اداروں کو ترقی دی، بڑے پیمانے پر عصری تعلیمی اداروں کی بنیاد رکھی، پیشہ وارانہ تعلیم کو فروغ دیا، برادران وطن میں دعوت دین کے کام کے لئے متوجہ ہوئے، خدمت خلق کے ادارے قائم کئے، مسلمانوں کی نئی نسل کو تعلیم سے جوڑنے کی کوششیں کیں، اور ملک کے طول وعرض میں محسوس کیا گیا کہ مسلمانوں کا شعور بیدار ہورہا ہے، اور دین سے ان کے ربط وتعلق میں اضافہ ہوا ہے؛ چنانچہ ۱۹۹ء کے بعد مسلمانان ہند میں تعلیمی، دعوتی اور معاشی جدوجہد کے اعتبار سے ایک خوشگوار تبدیلی آئی، اگرچہ ابھی بھی بہت سے کمیاں ہیں جن کو دور کرنا ضروری ہے، بہت سی بیماریاں ہیں، جن کا علاج کئے بغیر ہم ایک صحت مند اُمت کی حیثیت سے اپنا کردار ادا نہیں کرسکتے۔

تیسری مثال

قرآن مجید میں بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوتی جدوجہد کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اس کے ضمن میں اسلام میں آنے والے نشیب وفراز کا بھی خاص طور پر ذکر آیا ہے، وہ کیسے مشکل حالات سے گزرے، کیسی

(۱) بقرہ:۲۱۶

کیسی سخت آزمائشوں میں مبتلا کئے گئے اور آزمائش کی بھٹیوں میں تپنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسی عزت اور سرفرازی عطا فرمائی، یہ پوری داستان عبرت قرآن مجید میں موجود ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام دعوت حق کی پاداش میں اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور ہوئے، عراق سے روانہ ہوتے ہوئے سوائے ان کی زوجہ مطہرہ حضرت سارہ علیہا السلام کے کوئی اور ان کے ساتھ نہیں تھا، پھر مصر میں ایک بڑی ابتلاء سے گزرے، جب عزت وآبرو بھی خطرہ میں تھی؛ لیکن آزمائش کی اس گھاٹی سے بھی اس شان سے پار ہوئے کہ مصر کے بادشاہ نے اپنی شہزادی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نکاح میں دے دیا، جن کے لئے عراق کی وسیع اور سرسبز وشاداب سرزمین میں رہنے کی جگہ نہیں نکل سکی، ان کی اولاد پوری دنیا پر حکومت کر رہی ہے اور دنیا کے تین بڑے مذاہب کو ماننے والے بھی مسلمان، عیسائی اور یہودی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے نام لیوا ہیں اور مسلمان تو شب وروز کی کم سے کم پانچوں فرض نمازوں میں اپنے پیغمبر کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔

چوتھی مثال

حضرت یوسف علیہ السلام جن کو حضور ﷺ نے ”کریم ابن کریم ابن کریم“ کہا ہے، یعنی وہ خود نبی ان کے والد نبی اور ان کے دادا نبی؛ لیکن انہیں مصر کے ایک ویران کنویں میں پھینک دیا گیا اور جب کسی طرح وہاں سے نکالے گئے اور مصر پہنچے تو پھر مصر کے قید خانہ میں مدتوں رہنا پڑا؛ مگر بالآخر بادشاہ مصر کے اس زرخرید غلام اور جیل کے قیدی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی عزت دی کہ پورا مصر اُن کے اقتدار میں آگیا۔

پانچویں مثال

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی صرف موسیٰ ہونے کے شبہ میں ان کے خاندان کے سیکڑوں نو مولود تہہ تیغ کر دیئے گئے، پھر حضرت موسیٰ کی پرورش بھی اس طرح ہوئی کہ انہیں دریا میں پھینک دیا گیا، مگر اللہ کی قدرت دیکھئے کہ دریا میں ڈالے جانے والے اس نو مولود کی قصر شاہی میں پرورش ہوئی، پھر جب نبوت سے سرفراز کئے گئے اور دعوت حق پیش کرنے کے لئے وقت کے سب سے طاقت ور اور ظالم وجابر حکمراں کا سامنا کیا اور بالآخر انہیں مصر چھوڑنا پڑا تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے تحت مصر میں آباد سرکش قوم اپنے قائد کے ساتھ دریا پار کر دیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دعوت حق کا چراغ لے کر فلسطین پہنچے اور ان کے متبعین نے بیت المقدس کو فتح کیا۔

چھٹی مثال

حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق پھانسی کے پھندے پر چڑھا دیئے گئے؛ لیکن آج دنیا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیواؤں کا تسلط ہے، اگرچہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی تعلیمات کو فراموش کر دیا ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی قوم حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام تک کی حقیقی تعلیمات پر کاربند ہے تو وہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنے والی امت ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ راہ حق پر قائم رہنے والوں کو آزمائشوں سے گزارا ضرور جاتا ہے؛ لیکن پھر انہیں دنیا میں بھی عزت، طاقت، نیک نامی اور کامیابی سے نوازا جاتا ہے۔

ساتویں مثال

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اس کی بہترین مثال ہے، سیرت میں کئی واقعات ایسے ملتے ہیں، جو بظاہر مسلمانوں کے لئے بہت حوصلہ شکن تھے، جب آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو یہ کوئی کم تکلیف دہ واقعہ نہیں تھا، آپ نے گھربار چھوڑا، زمین جائداد چھوڑی، رشتہ داروں کو چھوڑا، بیت اللہ شریف کی قربت چھوڑی، اس فضا کو چھوڑا جس میں آپ نے بچپن سے ادھیڑ عمر تک زندگی گزاری تھی، آپ پر اس کا بڑا اثر تھا، جب آپ مکہ مکرمہ سے نکلے تو آپ نے اپنے اس مانوس اور مبارک شہر پر نگاہ حسرت ڈالی اور فرمایا: ''اے مکہ! تو مجھے بہت عزیز ہے؛ لیکن تیرے باشندہ نے مجھے یہاں رہنے نہیں دیا۔

''ما اطیبک من بلد، وأحبک الیّ، ولو لا ان قومی أخرجونی منک ما سکنت غیرک''(۱)

جب آپ ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے، جہاں سے ایک راستہ مکہ کی طرف جاتا تھا تو پھر وطن کی جدائی اور محرومی کا غم تازہ ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطمینان دلایا کہ آپ گھبرائیں نہیں، ہم آپ کو پھر مکہ کی طرف واپس لائیں گے۔(۲) مدینہ پہنچنے کے بعد صحابہ کو وہاں کی آب وہوا راس نہیں آتی تھی، ان پر مدہوشی کی کیفیت طاری ہوتی تھی، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مدینہ کو رحمت وبرکت کا شہر بنا

---

(۱) سنن الترمذی، حدیث: ۳۹۲۶

(۲) قصص: ۸۵

دے اور اُن کا دل یہاں لگ جائے ۔(۱)

لیکن اپنے وطن کو خیر آباد کہنے کے پیچھے اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی کامیابی رکھی تھی! بدر و اُحد اور خندق کا معرکہ ہو یا فتح مکہ اور پورے جزیرۃ العرب کا اسلام کے دامن میں آنا، یہ ساری کامیابیاں ہجرت کے واقعہ میں پوشیدہ تھیں۔ اس میں مسلمانوں کے لئے ایک اہم سبق ہے، اور وہ سبق ہے مشکل اور ناپسندیدہ حالات میں حوصلوں کو قائم رکھنا، اپنے آپ کو ثابت قدم رکھنا، مایوسی اور نا امیدی سے بچنا، ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ جب رات کی تاریکی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو پھر صبح کا سورج طلوع ہوتا ہے، انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ مشکلات میں خیر کے پہلو کو تلاش کرے؛ کیوں کہ ہر شر کے اندر کہیں نہ کہیں خیر بھی چھپا ہوتا ہے۔

آٹھویں مثال

۱۸۵۷ء میں ہمارے ملک پر انگریزوں کا قبضہ ہوا، یہ اس ملک کے لئے اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے بہت بڑا احادثہ تھا؛ لیکن اسی کے بعد ملک کے طول وعرض میں مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا اور آج ہندوستان میں دینی مدارس، مکاتب اور جامعات کی جو کثرت ہے، شاید اس کی کہیں اور مثال نہ مل گی۔

نویں مثال

ہندوستان کے کئی شہروں میں بھیانک فساد ہوئے، مسلمانوں کو جانی نقصانات بھی پہنچائے گئے اور مالی نقصانات بھی، مراد آباد، جمشید پور، بھاگلپور، سورت، احمد آباد وغیرہ، الحمدللہ وہاں مسلمان شعور اور ہمت کے ساتھ اٹھے، اب وہاں کاروبار میں مسلمانوں کی حصہ داری پہلے سے زیادہ ہے، ان کی اپنی کالونیاں ہیں، تعلیمی ادارے ہیں اور وہ پہلے سے بہتر زندگی گزار رہے ہیں، حیدرآباد میں ۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن ہوا، حیدرآباد اسٹیٹ کے بہت سے شہروں اور قصبوں میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، ان کے مکانات اور دکانیں لوٹ لی گئیں، عورتیں اپنی آبرو بچانے کے لئے کنوؤں میں کود کر جان دینے پر مجبور ہوئیں، ایسا لگتا تھا کہ اب یہاں کا مسلمان اس خطہ میں عزت و وقار کے ساتھ اپنی زندگی نہیں گزار سکے گا؛ لیکن حیدرآباد اور حیدرآباد سے ملحق سابق مسلم علاقوں نے ایک نئی کروٹ لی، عصری تعلیم کے ادارے، دینی مدارس، مساجد، ہسپتال، خدمت خلق کے کام ہر پہلو سے انھوں نے ترقی کا تیز رفتار سفر کیا ہے اور آج وہ ان چند شہروں میں ہے، جن کی مثال پیش کی جاتی ہے، ان سب کی تاریخ یہی ہے کہ وہ آزمائش سے گزرے؛ مگر اللہ پر بھروسہ کیا، حالات کا تجزیہ کیا،

(۱) بخاری، حدیث: ۳۹۶۲

اپنی صلاحیت کو پہنچانا، ایک منصوبہ کے ساتھ قدم اٹھایا اور آگے بڑھے اور آئندہ بھی انشاء اللہ بڑھتے رہیں گے۔(اللہ نظر بد سے تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں)

اس وقت ملک میں ۲۰۲۴ء کے الیکشن کا مسئلہ درپیش ہے، کئی طریقوں سے کوختم کرنے کی کوششیں جاری ہیں، ووٹ سے بے دخل کرنے کا منصوبہ بڑے پیمانہ پر ہے، مسلمان بکھرے ہوئے ہیں، سیاسی شعور ابھی بھی پیدا نہیں ہورہا ہے، مگر اپنی ذمہ داری پورے کرتے ہوئے رجوع الی اللہ کی کیفیت باقی رہے تو اس میں خیر کے پہلو ضرور اجاگر ہوں گے۔

نہ حکومت ہاریں اور نہ حوصلہ ہاریں !

انسان دنیا میں جو کچھ بھی کرتا ہے، اس کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک کا تعلق باہر کی دنیا سے ہے اور ایک اندر کی دنیا سے ، باہر کی دنیا میں ضروری ہے کہ اس کام کے لیے مطلوبہ وسائل اختیار کئے جائیں، فوجی اور سپاہی ہے تو اسلحہ اور حملہ کرنے اور دفاع کرنے کے آلات سے لیس ہو، تاجر ہے تو تجارت کا تجربہ اور ضروری سرمایہ رکھتا ہو، طالب علم ہے تو اس کے پاس کتابیں ہوں اور اچھے اساتذہ سے اس کا ربط ہو، انسان کے اندر کی دنیا اس کا ''دل'' ہے اور اس کا سرمایہ حوصلہ وہمت اور یقین ہے۔

کسی بھی اہم کام کے لیے حوصلہ اور یقین سب سے بنیادی ضرورت ہے، اس بات کا حوصلہ کہ وہ اس کام کو کرسکتا ہے، اس بات کا یقین کہ وہ اس کام کو ضرور اس کے انجام تک پہنچا کر رہے گا اور اپنے آپ پر اعتماد کہ وہ اس کام کو انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے، راستہ کی مشکلات آسان کرتا ہے، منزل کی جستجو کو بڑھا تا ہے، ہمت وحوصلہ کی طاقت ظاہری وسائل کی کمی کا بدل ہوسکتی ہے اور ہوتی ہے، تاریخ میں کتنے ہی واقعات آپ کو مل جائیں گے کہ ایک بے سروسامان شخص اُٹھا، نہ اس کے پاس فوج تھی نہ حکومت اور نہ ماڈی وسائل؛ لیکن بلند حوصلگی، عالی ہمتی، اپنے مقصد پر یقین اور خود اعتمادی نے اس کو اتنی طاقت بہم پہنچائی کہ اپنے زمانہ کے فراعین کی گردنیں بھی اس کے سامنے خم ہوگئیں اور وہ طوفانوں کا رُخ موڑنے میں کامیاب ہوگیا، اور ایسی مثالیں بھی آپ کو ملیں گی کہ وسائل کی فراوانی ہے اور تعداد کی کثرت ہے؛ لیکن پست حوصلگی اور کم ہمتی نے پوری پوری قوم کو غلامی میں پابہ زنجیر کردیا۔

مسلمانوں نے بھی بحیثیت قوم اس کا خوب تجربہ کیا ہے، غور کیجئے کہ وہ مسلمان ہی تھے جو عرب کے ریگزار سے اٹھے اور افریقہ و یورپ سے مشرق بعید تک ابر رحمت کی طرح چھاگئے، محض سولہ سال کے ایک نوجوان نے ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک کو اسلام اور اسلامی نظام کی نعمتِ عظمیٰ سے ہمکنار کیا اور ایک دوسرے

نوجوان مردموسیٰ نے اسپین پر اپنی فتح مندی کے نقوش ثبت کئے، اور وہ بھی مسلمان ہی تھے جنھوں نے دنیا کی مختلف زبانوں میں موجود علمی اور فنی لٹریچر کو عربی زبان میں منتقل کیا، تحقیق وریسرچ کا جو چراغ یورپ میں بجھ چکا تھا اور وہاں کسی سائنسی تحقیقی اور نظریہ پیش کرنا بھی گردن زدنی جرم تھا، وہاں علم وفن کی نئی بلند حوصلگی کا کرشمہ تھا۔

اور وہ بھی مسلمان ہی تھے کہ جب تاتاریوں کا فتنہ اٹھا تو چند تاتاریوں کا وجود پوری مسلمان فوج کی شکست کے لیے کافی ہوتا تھا اور ایک تاتاری عورت بھی دسیوں مسلمان مردوں کو تہہ تیغ کرسکتی تھی اور آج ہماری بدنصیب آنکھیں اس منظر کو دیکھ رہیں کہ مسلمانوں کے پاس دنیا کے بہترین معاشی ذرائع ہیں، کثیر افرادی وسائل ہیں ذہانتیں اور صلاحیتیں ہیں؛ لیکن علم وتحقیق کے میدان میں ان کا درجہ صفر ہے اور عالمی سطح پر ان کا شمار پسماندہ اقوام میں ہے، اس میں بڑا دخل اس کی کم ہمتی کا ہے، جب کسی قوم میں پست حوصلگی پیدا ہوجاتی ہے اور وہ ہمت ہار دیتی، تو پھر محنت کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے اور وہ دشوار گزار راہیں طے نہیں کرسکتی۔

انتخابی شکست کو اپنی اپنی شکست نہ سمجھیں

ایک اہم اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ اگر الیکشن کے نتائج امید کے خلاف ہوں تو ہرگز مسلمانوں کے حوصلے پست نہ ہوں، ہمت نہ ٹوٹے، انتخابی شکست کو اپنی شکست نہ سمجھیں؛ اگر نتیجہ اس کے برعکس ہوجائے اور اپنے آپ کو سیکولر کہنے والی پارٹیاں کامیاب ہوجائیں تب بھی ایسا نہیں ہے کہ مسلمانوں کو اقتدار میں کوئی بڑا حصہ مل جائے گا، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ موجودہ حکومت مسلمانوں سے سب کچھ چھین لے گی، ہم سیاسی پارٹیوں کے سہارے اس ملک میں نہیں رہتے ہیں، ہماری قوت ملک کے دستور سے ہے، جو پارٹیاں اپنے آپ کو سیکولر کہتی ہیں، انھوں نے بھی کبھی ہمارے غم کا مداوا نہیں کیا، اور مسلمان ایسا لقمۂ تر بھی نہیں ہیں کہ موجودہ حکومت انھیں چبا جائے، ہم اس ملک میں برابر کے شہری ہیں، اس کے چپہ چپہ پر ہمارے خون جگر کے نقوش ثبت ہیں، ہم نے مجبوری کی بنا پر اس ملک میں رہنا قبول کیا ہو، ایسا نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کو اجازت دی گئی تھی کہ اگر وہ چاہیں تو پڑوسی ملک میں چلے جائیں؛ لیکن مسلمانوں نے اپنی پسند سے اس ملک کا انتخاب کیا، اس لئے ہمیں پوری قوت اور دل جمعی کے ساتھ اپنے حقوق کی لڑائی لڑنی چاہیئے اور ہمت نہیں ہارنی چاہیئے، یہ انتخابی جنگ ایک عارضی واقعہ ہے، اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

پست ہمتی کی باتیں ہرگز نہ کریں

مسلمانوں کے لئے بز دلی اور ہمت ہارنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں قدم قدم پر اس بات کا خیال رکھا کہ مسلمانوں میں حوصلہ ہارنے کا مرض پیدا نہ ہو، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہم پر صحابہ کا ایک دستہ بھیجا، اتفاق سے وہ دشمن کے مقابلے میں ٹھہر نہیں پائے، جب واپس ہوئے تو مدینے میں چھپ کر داخل ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، اگر حضور ﷺ نے ہماری توبہ کو قابل قبول سمجھا، تب تو ہم مدینہ میں ٹھہریں گے، اور اگر ایسا نہیں ہوا تو ہم مدینے سے واپس ہو جائیں گے؛ چنانچہ فجر کی نماز سے پہلے مسجد میں جا کر بیٹھ گئے اور جیسے ہی رسول اللہ ﷺ حجرۂ مبارکہ سے باہر نکلے، کھڑے ہو گئے اور شرمندگی کے ساتھ کہنے لگے : ہم بھاگے ہوئے لوگ ہیں : ''نحن الفرارون''رسول اللہ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا : نہیں؛ بلکہ تم دوبارہ حملے کے لئے پیچھے ہٹے ہو : ''أنتم العكارون''ہم لوگ آگے بڑھے اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا، پھر آپ انے ارشاد فرمایا : میں مسلمانوں کی کمک ہوں ''أنا فئة المسلمين'' (۱) یعنی اگر مسلمان فوج پیچھے ہٹ جائے تو میں اس کے لئے سہارا ہوں، اس حدیث کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ صحابہ جو احساس شکست کی وجہ سے ٹوٹے ہوئے تھے، آپ نے چاہا کہ ان کا حوصلہ ٹوٹنے نہ پائے؛ کیوں کہ جب کسی قوم کا حوصلہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس کی قوت مقابلہ ختم ہو جاتی ہے اور اس کی حیثیت اس فوج کی ہو جاتی ہے، جو دشمن کا سامنا کرنے سے پہلے ہی ہتھیار ڈال دے۔

غزوۂ اُحد و بدر تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں

غزوۂ اُحد کا موقع صحابہ کے لئے بڑا ہی حوصلہ شکن تھا؛ کیوں کہ اہل مکہ نے مدینے کی سرحد پر پہنچ کر یہ حملہ کیا تھا، ستر صحابہ شہید کر دیئے گئے، بہت سے صحابہ زخمی ہوئے، یہاں تک کہ خود رسول اللہ اخون سے لہو لہان ہو گئے، رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا احساس تھا کہ اگر اس موقع پر مسلمانوں کی ہمت کو سہارا نہ دیا گیا تو ان کی قوت مقابلہ ختم ہو کر رہ جائے گی؛ اسی لئے آپ نے صحابہ کو ترغیب دی کہ وہ اہل مکہ کا پیچھا کریں اور صحابہ نے دُور تک مکہ واپس ہونے والی فوج کا تعاقب کیا؛ حالاں کہ وہ خود زخموں سے چور چور تھے، اس کا دہرا فائدہ ہوا کہ ایک طرف صحابہ کا حوصلہ بلند ہوا، دوسری طرف اہل مکہ نے محسوس کیا کہ ایسا نہیں ہے کہ مسلمانوں

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۶۴۷

نے اپنا حوصلہ کھو دیا ہو؛ حالاں کہ انھوں نے مسلمانوں کو آئندہ سال بدر میں مقابلے کے لئے چیلنج کیا تھا؛لیکن آئندہ سال مسلمان تو بدر میں پہنچے،مگر اہل مکہ کو اس کی ہمت نہیں ہوسکی۔

غزوۂ اُحد ہی کے موقع پر مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے قرآن نے کہا : ’تم بزدل اور رنجیدہ نہ ہو،اگر تم پختہ ایمان کے حامل ہوجاؤ تو تم ہی غالب رہو گے‘ : ”وَلاَ تَهِنُوا وَلاَ تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ“ (۱) مختلف مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی موقع سے یہ آیت نازل ہوئی ہے،(۲)

حوصلہ بڑھانے والے افراد اور ادارے کی ضرورت ہے

اس ملک میں جہاں مسلمانوں نے بہت سے فلاحی اور تعلیمی ادارے قائم کئے ہیں، وہیں ایک ایسے ادارہ یا ٹیم کی بھی ضرورت ہے جو مختلف میدانوں میں ان لوگوں کی اخلاقی مدد کرے اور حوصلہ افزاء مشورے دے، جن کی ہمتیں ٹوٹ جائیں اور پست حوصلگی کے باعث میدانِ مسابقت چھوڑنے لگیں، کتنے ہی مسلمان طلبہ ہیں، جو ساتویں جماعت کے امتحان میں شریک ہوتے ہیں؛ لیکن جماعت دہم تک نہیں پہنچ پاتے، کتنے مسلمان تاجر ہیں جو اُبھرتے ہیں؛ لیکن کسی وقتی واقعہ کے نتیجہ میں ہمیشہ کے لیے اس میدان کو خیر باد کہہ دیتے ہیں، یہی حال ہر شعبۂ زندگی کا ہے،ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو ہمت دلائی جائے اور ان کو اپنا سفر جاری رکھنے پر آمادہ کیا جائے، ان کو اس تجربہ سے آگاہ کیا جائے کہ بعض میٹرک میں فیل ہوگئے،لیکن پھر مسلسل اور مردانہ وار کوشش نے ان کو اس لائق بنادیا کہ انہوں نے اعلیٰ مسابقی امتحانات میں کامیابی حاصل کی، تجارتی نقصان نے ان کو دیوالیہ کر دیا؛ لیکن بلند حوصلگی کے ساتھ محنت نے ان کو از سر نو کھڑا کر دیا، اس طرح ان کو شکست اور بے یقینی کے دلدل سے نکال کر خود اعتمادی اور یقین سے بہرہ ور کیا جائے کہ شکست کے احساس اور پست ہمتی کے ساتھ کوئی قوم آگے نہیں بڑھ سکتی۔

اپنی ذمہ داری پوری کر جائیں۔کامیابی حق کی ہے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا

---

(۱) آلِ عمران : ۱۳۹

(۲) تفسیر خازن ۱ / ۴۲۴

تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ (۱)

بے شک جن لوگوں نے کہا : کہ اللہ ہمارا رب ہے، پھر وہ ثابت قدم ہوئے تو (ان کی مدد کے لئے) ان پر فرشتے اُتریں گے (اور کہیں گے) تمہیں نہ خوف و دہشت ہو اور نہ رنج وغم، اور تم کو جنت کی خوشخبری ہو، جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا تھا۔

یعنی ایسا نہیں ہے کہ مسلمانوں پر حوصلہ شکن واقعات پیش نہ آئیں گے، اور وہ رنج وغم سے دو چار نہ ہوں گے؛ لیکن ایسے مواقع پر مسلمانوں کا ردعمل ان قوموں سے مختلف ہونا چاہئے، جو خدا پر یقین نہیں رکھتے؛ کیوں کہ ان کی منزل دنیا ہے اور ہماری منزل آخرت، یہ یقین جتنا مضبوط ہوگا، مسلمانوں کے قدم میں اسی قدر جماؤ پیدا ہوگا، حوصلہ شکن حالات سے ان کی ہمتیں ٹوٹیں گی نہیں؛ بلکہ ان کے حوصلے اور مضبوط ہوں گے؛ کیوں کہ ان کے سامنے خدا کا وعدہ ہوگا کہ مسلمان شکست سے دو چار ہوں گے؛ لیکن بالآخر فتح و کامرانی ان ہی کے ہاتھوں ہوگی، جو ہارتا ہے، وہی آئندہ جیتتا بھی ہے، جس میں ہارنے کا حوصلہ نہ ہو، وہ کبھی جیت کا منہ نہیں دیکھ سکتا؛ اسی لئے ہمیں ہرگز حوصلہ ہارنا نہیں چاہئے اور ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ خدا کے غیبی نظام کے مقابلے دنیا کے مادی نظام پر ہمارا یقین بڑھ جائے، ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کوئی رات ایسی نہیں ہے جس کی صبح نہ ہو، جب رات کی تاریکی گھٹاٹوپ ہوجاتی ہے تو اسی کے جلو سے صبح کا رُخ روشن کائنات کے اُفق پر نمودار ہوتا ہے۔(۲)

(۱) حٰم السجدۃ : ۳۰

(۲) جدید فکری مسائل: ۴/ ۲۳۷

یادداشت

مرتب کی کتابیں

۱۔رمضان المبارک معروفات ومنکرات
۲۔اصلاحی واقعات دو جلدیں
۳۔اصلاح الرسوم (تسہیل، تعلیق وتخریج)
۴۔عصری خطبات مجلدات (زیرِ طبع)
۵۔جماعت اولی کی اہمیت و جماعت ثانیہ کی حیثیت
۶۔نیا سال مغرب اور اسلام کا نقطۂ نظر
۷۔کرسمس کی حقیقت عقل ونقل کی روشنی میں
۸۔ویلنٹائن ڈے تاریخ کے آئینہ میں
۹۔اپریل فول کی تاریخی حیثیت
۱۰۔خیر البیان (مدارس کے طلبہ کے لئے)
۱۱۔ہندوستانی مسلمان آزادیٔ وطن سے تعمیرِ وطن تک (زیرِ طبع)
۱۲۔نفع المفتی و السائل (عربی، تحقیق وتخریج، زیرِ طبع)
۱۳۔اللمعة اذا اجتمع العید و الجمعة
۱۴۔کھیل کود کی تاریخی وشرعی حیثیت
۱۵۔احکام اعتکاف
۱۶۔خواتین رمضان کیسے گذاریں؟
۱۷۔یوم جمہوریہ حقیقت کے آئینہ میں
۱۸۔پتنگ بازی حقائق ونقصانات
۱۹۔وجودِ باری وتوحیدِ باری عقل کی روشنی میں
۲۰۔ضیافت فضائل ومسائل
۲۱۔عظمتِ اہلِ بیت اور مسئلہ زکوۃ
۲۲۔ارطغرل غازی سیریل حقائق اور غلط فہمیاں
۲۳۔یتیمی اور یتیموں کے کارنامے
۲۴۔لون (قرض) کے جدید مسائل
۲۵۔ظالموں کا انجام سچے واقعات کی روشنی میں
۲۶۔کرکٹ کی تاریخی وشرعی حیثیت

۲۷۔فروع الایمان (تسہیل،تخریج وتضمیم)
۲۸۔قربانی۔مذاہب ومسالک کے اختلافات کا حل
۲۹۔عصمت دری اسباب وسد باب
۳۰۔سنتِ فجر فضائل ومسائل
۳۱۔خطباتِ قاسمیہ
۳۲۔برادرانِ وطن سے تعلقات۔حدود وحقوق
۳۳۔کمیشن اور بروکری کے احکام
۳۴۔کرایہ کے جدید مسائل
۳۵۔ٹوپی کی شرعی حیثیت
۳۶۔اسلام میں تجارت کی اہمیت
۳۷۔جبر تبدیلیٔ مذہب کی حقیقت
۳۸۔اسلام میں تقسیمِ میراث کی اہمیت اور ہمارا سماج
۳۹۔مروّجہ مضاربت کے احکام
۴۰۔اولاد کے حقوق شریعت وسماجکی روشنی میں
۴۴۔لو جہاد حقیقت یا فسانہ
۴۵۔صحبتِ اہل اللہ کی اہمیت وضرورت
۴۶۔تیسیر المبتدی بترتیب جدید فارسی (حصہ اوّل،دوم،سوم)
۴۷۔مطلّقہ،معلّقہ،مختلعہ وبیوہ کے حقوق
۴۸۔تعلیم بالغان وبزرگان اہمیت وضرورت
۴۹۔خواتین کے علمی کارنامے۔تعلیمِ نسوان ومکاتب بالغات کی اہمیت
۵۰۔مکاتب کی اہمیت وضرورت
۵۱۔منظم ومؤثر مکاتب کے اصول وآداب
۵۲۔مسنون امامت وخطابت۔اصول وآداب
۵۳۔ذمہ دارنِ مسجد کی ذمہ داریاں
۵۴۔قتل کا گناہ اور سماج کی صورتِ حال
۵۵۔زمینات ومکانات
۵۶۔ملٹی لیول مارکیٹنگ۔اقسام واحکام
۵۷۔ذکرِ حبیب ﷺ کی برکات

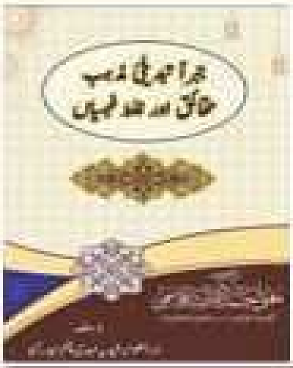
دیگر مطبوعات





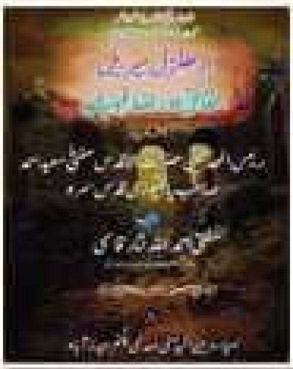














ناشر

دارالعلوم رشیدیہ

زیر انتظام: رشیدیہ ایجوکیشنل چیریٹیبل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ

MUFTI AHMADULLAH NISAR QASMI

Darul Uloom Rasheediya, Door No. 12-2-823/A/28A1, Masjid Qutub Shahi
2nd Floor Opp. MS Girls College, Santosh Nagar Colony, Mehdi Patnam
(Piller No-17) Hyderabad-500028 TS, **Phone No: 9989497969**